

انتخابِ کلیاتِ جوش

ترتیب و انتخاب ڈاکٹر فضل امام

इन्तखाब कल्लियात जोश।

By

फजल इमाम

M0 20

جوش ملیح آبادی کے تمام مطبوعہ و غیر مطبوعہ مجموعہ ہائے کلام سے انتخاب

۱۹۸۸ء



INTIKHAB KULLIYAT-E-JOSH, ED BY DR FAZLE IMAM 70/=

اِنتخابِ کُلّیاتِ جوشؔ

جوشؔ ملیح آبادی کے تمام مجموعوں کا اِنتخاب

ترتیب و انتخاب
ڈاکٹر فضل امام

مکتبہ جدید
9/10 گراؤنڈ فلور، گولا مارکٹ گولچہ سینما کے پیچھے نئی دہلی ۲ 11

سنہ ۱۹۸۹ء

قیمت ـــــ ساٹھ روپے 60/-

سرورق رزاق ارشد

طباعت ـــــ اے ون آفسیٹ پرنٹرز۔ نئی دہلی

زیرِاہتمام

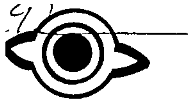
پریم گوپال متّ

MAKTABA JADID

9/10, GROUND FLOOR, GOLA MARKET,

BEHIND GOLCHA CINEMA, NEW DELHI-110002

اندرونِ صفحات



جوش ایک نظر میں

خاندانی نام ——— شبیر احمد خاں

تبدیلیِ نام ——— شبیر حسن خاں (۱۹۱۸ء)

تخلص ——— پہلے شبیر، بعد کو جوش

تاریخ و سن پیدائش ——— ۵ دسمبر ۱۸۹۸ء

مقام ——— ملیح آباد (لکھنؤ)

خاندان ——— آفریدی ملی خیل

والد ——— نواب بشیر احمد خاں بشیر

دادا ——— نواب محمد احمد خاں احمد

پردادا ——— حسام الدولہ بہادر جنگ نواب فقیر محمد خاں گویا

سگڑ دادا ——— محمد بلند خاں

ابتدائی تعلیم

عربی ——— مرزا محمد ہادی اسلام

فارسی اور اردو ——— مولانا قدرت اللہ بیگ ملیح آبادی

مولوی نیاز علی خاں ملیح آبادی

مولانا طاہر

انگریزی ــــــــــ ماسٹر گومتی پرساد ملیح آبادی

اسکول اور کالج

سیتاپور اسکول ــــ حسین آباد ہائی اسکول ــــ جوبلی ہائی اسکول ــــ ــــ بلیسلز ہائی اسکول۔ اور ــــ جرچ مشن ہائی اسکول (لکھنؤ)

ایم اے او کالج علی گڑھ ۱۹۱۳ء
سینٹ پیٹرس کالج آگرہ ۱۹۱۴ء سینئر کیمبرج
سانتی نکیتن ۱۹۱۸ء چھ ماہ تک قیام کیا

شادی، بیوی بچے

نکاح ــــــــــ ۱۹۰۷ء
رخصتی ــــــــــ ۱۹۱۶ء
بیوی ــــــــــ اشرف جہاں بیگم
لڑکی ــــــــــ سعیدہ خاتون
لڑکا ــــــــــ سجاد حیدر

ملازمت

دارالترجمہ حیدرآباد۔ دکن ــــــــــ ۱۹۲۵ء
ناظر ادب کے عہدے سے علیحدگی ــــــــــ ۱۹۳۴ء
مدیر "آج کل" دہلی ــــــــــ ۱۹۴۸ء ــــ ۱۹۵۵ء
مشیر ادبی، مدیر لغت، مدیر رسالہ "اردو نامہ"
ترقی اردو بورڈ ــــــــــ جولائی ۱۹۵۸ء

ادارت

مدیر ماہنامہ "کلیم" دہلی	۱۹۳۵ء	۱۹۳۹ء
مدیر اعلیٰ ماہنامہ "نیا ادب" اور "کلیم" لکھنؤ	۱۹۴۰ء	۱۹۴۱ء
تلمذ سحر	عزیز لکھنوی	سات برس تک

جوش کی مطبوعہ تصانیف

پہلا مجموعہ نظم و نثر	روحِ ادب	۱۹۲۰ء	دہلی
شاعر کی راتیں	(رات کے متعلق چند نظموں کا مجموعہ)	۱۹۳۳ء	دہلی
شعلہ و شبنم	(نظموں اور غزلوں کا مجموعہ)	۱۹۳۶ء	دہلی
نقش و نگار	(نظموں کا مجموعہ)	۱۹۳۶ء	دہلی
فکر و نشاط	(نظموں کا مجموعہ)	۱۹۳۷ء	دہلی
جنون و حکمت	(رباعیوں کا مجموعہ)	۱۹۳۷ء	دہلی
حرف و حکایت	(نظموں کا مجموعہ)	۱۹۳۸ء	دہلی
آیات و نغمات	(نظموں کا مجموعہ)	۱۹۴۱ء	دہلی
عرش و فرش	(نظموں کا مجموعہ)	۱۹۴۴ء	بمبئی
رامش و رنگ	(نظموں کا مجموعہ)	۱۹۴۵ء	بمبئی
سنبل و سلاسل	(نظموں کا مجموعہ)	۱۹۴۷ء	بمبئی
سیف و سبو	(خود جوش کا کیا ہوا نظموں کا انتخاب)	۱۹۴۷ء	لاہور اور بمبئی سے ایک ساتھ شائع ہوا
سرود و خروش	(نظموں کا مجموعہ)	۱۹۵۳ء	
سموم و صبا	(نظموں کا مجموعہ)	۱۹۵۴ء	
طلوعِ فکر	(مسدس، مقتب)	۱۹۵۷ء	کراچی
جوش کے مرثیے	مرتبہ ضمیر اختر نقوی کراچی		

نثری مجموعے

مقالاتِ زرّیں	نثر میں مختصر اقوال کا مجموعہ	سنہ ۱۹۲۱ء
اوراقِ سحر	نثر و نظم میں صبح کے متعلق چند شاعرانہ اقوال	سنہ ۱۹۲۱ء
اشارات	نثر کے مضامین جو رسالہ کلیم دہلی میں شائع ہوئے تھے	سنہ ۱۹۴۲ء
یادوں کی برات،	خود نوشت	سنہ ۱۹۷۳ء

ترکِ وطن

پاکستان میں قیام	سنہ ۱۹۵۵ء
وفات،	۲۲ فروری سنہ ۱۹۸۲ء اسلام آباد (پاکستان)



مقدمہ

اس سے انکار نہیں کہ جوش ملیح آبادی کی شخصیت
بڑی متنازعہ فیہ رہی ہے لیکن معلوم نہیں وہ کیسے لوگ ہیں
جو یہ بھول جاتے ہیں کہ جوش انسان ہیں فرشتہ نہیں۔ ان
میں جہاں کمزوریاں تھیں وہاں بلندیاں بھی ہیں مگر صرف کمزوریوں
کو اجاگر کرنا اور حاشیہ آرائی کرنا کسی طرح بھی مناسب
نہیں۔ دراصل انسانی زندگی کا مطالعہ بڑا دلکش ہوتا ہے خاص
طور سے کسی فنکار، شاعر اور ادیب کی زندگی کا۔ ان کی
زندگیاں مختلف خانوں میں منقسم ہوتی ہیں۔ اس لیے
ان کی حیات کو صرف تعصب کی عینک لگا کر اور ایک ہی
زاویے سے دیکھنا گمراہ کن ہوگا۔ ان کی حیات کے مختلف
زاویوں کو سمجھنا اور پرکھنا ضروری ہے

جوش جیسے جاگیردارانہ نظام میں آنکھیں کھولنے
والے اعلیٰ النسل تھے۔ البتہ اگر صرف ان کی زندگی کے اہم

پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر بحث کی جائے اور ان کی
شخصیت اسی میں محصور کر دی جائے تو غلطیاں ڈیرے
ڈال دیں گی۔ یا اگر ان کی زندگی کی لغزشوں اور کوتاہیوں کو
بھی ڈھونڈ ڈھونڈ کر بیان کیا جائے گا تو بھی صحیح مطالعہ ممکن
نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ بالغ نظر حضرات
انصاف سے کام لے کر جوش کی زندگی کے سبھی پہلوؤں کو کھلے
دل و دماغ سے جانچیں اور پرکھنے کی کوشش کریں کیونکہ زندگی
کے مطالعے اور شخصیت کی پرکھ کے لیے کوئی میکانکی عمل مفید نہیں
ہو سکتا۔ اس کے لیے فطری اور جذباتی تقاضوں کو بھی مد نظر
رکھنا ضروری ہے اور جوش کی شخصیت فطری و جذباتی تقاضوں
کی حسین جولانگاہ ہے۔

شاعر ادیب اور فن کار کے اعمال، اطوار، حرکات و سکنات
نظریات اور رجحانات وغیرہ لاشعور اور ماحول سے دوچار
ہوتے رہتے ہیں۔ جوش کی شخصیت کی تعمیر میں بھی اس طرح کے
لاشعور کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ یہ بھی صحیح ہے کہ جوش
کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں خارجی، داخلی، شعوری، غیر شعوری
سماجی اور مادی عمل اور رد عمل کے بڑے کارفرما اسباب
موجود ملتے ہیں جن کی تفصیل اس مختصر مقدمہ میں پیش
کرنے کی گنجائش نہیں۔ اس ذیل میں کچھ تفصیل راقم السطور اپنی
تصنیف شاعر آخر الزماں ——— جوش ملیح آبادی مطبوعہ
۱۹۸۳ء میں پیش کر چکا ہے۔

ہاں، ادھر ایک طبقہ اور خاص طور سے اسلام کے مسلک اہل
نے جوش کے کفر و الحاد پر زور دیا ہے اور اس بات کی تشہیر

کوشش کی گئی کہ جوش کو مُلحد اور کافر ثابت کر دکھائیں تو ایک
نئی بات ہو گئی اور گویا یہیں سے ایک بڑا کارنامہ باعثِ نجات ہو گیا
حالانکہ کلامِ جوش کے آئینے میں وہ توحید پرست اور عاشقِ رسالت
نظر آتے ہیں وہ مشیتِ خدا اور بندگی میں بھی یقین رکھتے ہیں۔

تم سے جھگڑا نہ تھا ہے زمانہ ہمارا نہیں
کیا دخل ہے مشیتِ پروردگار میں

یا

جو مقدر میں ہے وہ ہو کے رہے گا اے جوش
آپ کیوں دل کو پریشان کیے بیٹھے ہیں

اِن اشعار سے کیا جوش کے عقیدہ کو سمجھا نہیں جا سکتا؟ وہ
مسئلہ جبر و قدر اور قضا و قدرِ الٰہی میں یقین رکھتے ہیں۔ اِس
بات میں تمکین کاظمی کا بیان بڑی اہمیت کا حامل ہے وہ لکھتے ہیں
"بعض باتیں دنیا میں عجیب و غریب دیکھنے میں آتی ہیں ——
وحیدالدین سلیم اور عبدالحق باوجودیکہ مُلحد اور مکمل
دہریہ ہونے کے مولوی اور مولانا اور مقتدیٰ بنے رہے اور
لوگ ان کو مذہبی اور مسلمان سمجھ کر پوجتے رہے بلکہ اب تک
پوجتے ہیں اور نیاز فتح پوری اور جوش ملیح آبادی باوجود مسلمان
اور پکے مسلمان ہونے کے مُلحد اور دہریہ کہلاتے رہے اور اب
بھی کہلاتے ہیں میں چونکہ ان حالات سے واقف ہوں بلکہ بہت
زیادہ واقف ہوں اس لیے حیران ہوں کہ یہ کیا بوالعجبی ہے۔
ایک دن صبح صبح میں جوش کے گھر پہنچا جوش صبح کے
جنگل قدمی کر کے اسی وقت واپس مڑے تھے ہم دونوں بیٹھے ہوئے
تھے جوش ناشتہ کر رہے تھے اور میں چائے پی رہا تھا ایک اندھا

تحت سورۂ رحمٰن کی تلاوت فقیرانہ انداز سے رو رو کر کیا کرتا
سنا اسٹرائک پیر سے گریہ جوش کی رگِ حمیت پھڑکی چہرہ سرخ ہو گیا
جسم میں رعشہ پیدا ہو گیا فی البدیہہ یہ کہا ؎

اک گدا کی زباں پہ ہے قرآں
واہ کیا شانِ کبریائی ہے
کل جو بہم تختِ شاہی تھا
آج وہ کاسۂ گدائی ہے

یہ شعر اُن کے منہ سے ادا ہو رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو
ٹپک رہے تھے دیر تک کیفیت رہی بڑی مشکل سے سنبھلے

جوش ملیح آبادی ایک ملحد، ایک کافر، ایک دہریہ یہ قطعہ
کہتا ہے اور کتنا متاثر ہو کر کہتا ہے۔

یہ قطعہ اور اس کا شانِ نزول میں نے اس دور دورے میں
مولانا عبد اللہ عمادی کو سنایا تو مولانا آبدیدہ ہو گئے اور دیر تک
جوش کو دعائیں دیتے رہے [1]

آئیے جوش کے دل کی گہرائیوں میں الوہیت کا نظریہ
حد تک دیکھیے اور انصاف سے فیصلہ کیجیے:

اک عمر سے انکار پہ مائل ہے دماغ
اور دل ہے کہ اقرار کیے جاتا ہے

اللہ کو قہار بتانے والو!
اللہ تو رحمت کے سوا کچھ بھی نہیں

---

[1] افکار۔ جوش نمبر ص ۱۷۱

آگے بڑھ کر والہانہ انداز میں حسرت رحیم الٰہی کا قصیدہ کچھ اِس طرح پڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ عتابِ الٰہی سے بھی مَس پڑتا ہے،

بِلا ہو مرقع نور کٹ دوں گا جلال تیرے جسا تیرا
پڑھوں گا رحمتا کا وہ قصیدہ کہ مس پڑے گا عتابِ تیرا

ذاتِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُن کی عقیدت اور مودت اظہر من الشمس ہے ۔

اے کہ تیرے جلال سے ہل گئی بزمِ کافری
رعشۂ خوف بن گیا رقصِ بتانِ آذری
خشک شجر کی رگ سے لہرا اُٹھی ستار کی
قلزمِ ما رحس میں آپ رہے تیری ساوری
تھمس لیں تو نے محفلِ تیرہ کی وجود سے گرمیاں
ڈال دی تو نے پیکرِ لات وہُبل میں تھرتھری
تیرے سخن سے دب گئے لاف و گزاف کفر کے
تیرے نفس سے بجھ گئی آتشِ سحرِ سامری
چشمۂ تیرے شان کا غارِ حرا کی چاسنی
لمعہ ترے سکوت کا نعرۂ فتحِ خیبری
تیرے فقر اور دین کو جاہ کفر میں صدا
تیرے غلام اور کریں اہلِ جفا کی چاکری
تیری یتیمی کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے
بخشا گدا اُسے راہ کو تو نے شکوہِ قیصری

یہ نظم محصورِ سرورِ کائنات ۲۱ اشعار پر مشتمل ہے صرف چند اشعار برائے مثال کی جاتی ہے۔ اس میں عجیب والہانہ پن ہے اور

جوش الحاد و تباہی کر رہے ہیں اُس کے ہر شعر ایک فطری
جذبہ اور عقیدت کے مظہر ہیں۔ جوش کس شان سے سرورِ کائنات
کے حضور میں ملتجی ہیں
یہاں چند نمونے پیش کیے دیتا ہوں تاکہ کور نگاہوں کو
روشنی حاصل ہو سکے ؎

جو تجھ سے آشنا ہے وہ جوہر شناس ہے
تیری زبان، دہن بشر کا لباس ہے

نوعِ انساں کو دیا کس فلسفی نے یہ پیام
مردِ عارف کا کس نے خلعتِ عمرِ دوام
نصب کس نے کر دیے مقتل میں حوروں کے خیام
جائے ہو اس دہر دہنِ انسانی کا نام
جو ابو کبھی فکر تھا، جو اک یتیم تھا
اُس حکیمِ نکتہ پرور کا محمد نام تھا

ع ۔ نصب کس نے کر دیے مقتل میں حوروں کے خیام ۔ میں سورۂ
رحمٰن کی ۷۲ ویں آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں ارشادِ ربانی
ہے ——— حورٌ مقصوراتٌ فی الخیام ۝

اِس اجمالی تعارف اور مقدمہ کے دامن میں اتنی گنجائش کہاں
کہ کلامِ جوش سے مزید اُن کی وحدت پرستی اور رسالت پر ایمان
کی مثالیں پیش کر سکوں کیا جتنی مثالیں دی گئی ہیں وہ کافی نہیں؟
اچھا ایک بات اور سن لیجیے۔ دینِ اصلِ اسلام میں آیاتِ واضحہ
اور احادیثِ صحیحہ[1] سے یہ استنباط و استخراج ہوتا ہے کہ معرفت

---

[1] صحیح بخاری، باب العقل، اصول کافی

کامیاب ہو۔ وہ عقائد ہوتے ہیں جو حُبّ ِقاطعہ کی مدد سے سمجھے کے بعد انسان کے دل و دماغ میں راسخ ہو جاتے ہیں۔ تاہم طلبہ وہ حق العباد میں ماخوذ نہ ہو۔ جوش نے اسے عقائد کا دوسرا کی برات میں تفصیل سے بیان کیے ہیں جنہیں پڑھ کر ہر شخص انہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ ایسے ہی حالات کے انسان کو مرد مومن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تبارک و تعالیٰ رحیم و کریم اور غفار و غفور ہے۔ اس کی بارگاہ میں حصوصیت کے ساتھ وہ شخص جس نے صدق دل سے اپنے قلم کے ذریعے انسانوں کی مسائل دینی و دنیاوی میں رہنمائی کی ہو سب سے پہلے نجات کا مستحق ہے۔ [۱]

جوش کی صرف ایک ہی نیت تمام دنیا کے انسانوں کی رہبری اور رہنمائی کے لیے کافی ہے۔ اور اس میں دین حق کی بنایا مضمر ہیں۔

نہ لے کی بہم دین و ایمان حرام ہے
احسان اک بہترین اسلام ہے

جوش خلوص و محبت کا پیکر تھے۔ وہ ایک درد مند دل لے کر آئے تھے۔ وہ شاعری کی افادیت اور شاعر کے منصب سے بھی واقف تھے۔ اسی فن کو ساری زندگی آئینہ ہمیشہ سرگرم عمل رکھا۔ وہ ایک درد مند دل رکھتے اور انسانوں کی طرح سے الفت رکھتے تھے۔ اس لیے ان کی شاعری میں ہر طبقے کے لوگوں کے لیے پیام ملتا ہے اور ہر طبقے کے افراد کے مخاطب ہیں۔ وہ قومی بیداری اور قومی شعور کی

---

[۱] مرثیہ ٔ جوش۔ تعارف مولوی قاسم امروہوی

آرزو کو بڑھاوا دیتے تھے اسی لیے جب قرار ہو کر وہ قوم و ملک کے
سپاہی ابرار کو حوصلہ دیتے ہیں: ہم صغیر و اکبر دل آزاد سے
آزادی کی تمنا رکھتے ہوئے متحد و تیار لیکن پرخلوص لہجے میں
کہتے ہیں تارک اللہ امان کالج (طلبائے علی گڑھ) کی غیرت کو جھنجھوڑتے ہیں

مالک کی سوامیت سے تو بے مرتبہ رہا
مرحبا اے بارک اللہ امان کالج مرحبا
دیر سے تو یوں کے منہ کھولے ہوئے تھے وگار
سینہ گیتی میں بھی حسن کی دھمک سے جلفشار
شعلۂ یابس سے مگر فرصت تھم ملتی نہیں
کیا ستاروں کے مجھے راہیں ملتی نہیں

کمزوروں، ضعیفوں اور ناتوانوں کو حوصلہ دیتے ہیں ؎

کام ہے میرا تعمیر نام میرا شباب
میرا نعرہ انقلاب و انقلاب و انقلاب

غلاموں کو حوصلہ عطا کرتے ہوئے ان کی غیرت و حمیت
کو چیلنج کرتے ہیں ؎

اے ہند کے دل غلامانِ رو سیاہ
شرمسار ہے تو ملا و خدا کے لیے نگاہ

رفیقۂ حیات سے گویا ہوئے تو یہ ارشاد اس شکل کر
سامنے آئے ؎

اے مری شریک زندگی اس بات پر روتی ہے تو
کیوں مرا دردِ ادب ہے مائل جام و سبو
کس لیے اس پر نہیں روتی کہ ہے گرم فغاں
سعی وفا میں حکمراں ہوا ہندوستان

مسلمانوں کے احساسات کو جگاتے اور للکارتے ہیں ۔

ہاں خود ہی آرام تو بھی اسلام کا ربوۂ
نا بدھے گا فقط خامۂ احرام کہاں تک

ہندوؤں کو آواز دیتے ہوئے کہتے ہیں ۔

نا رو بھئی ماند ای کے لیے تیار ہو
ڈوبنے والی ہے کشتی قوم کی ہوشیار ہو

اس کے بعد ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو مشترکہ طور
پر مخاطب کرکے بڑی صداقت دل سے کہتے ہیں ۔

توڑ اس حال کو جکڑے ہے جو بار وبرے
نستہ کش ہکس سخت رنا بدرہ کی
بیٹھ سے بیٹ ہو جو خیر وہ کی حالیکی
مرکے بھی جس غلامی کا حرئیل اربہ کی

خوش کی شاعری کے کئی رخ اور کئی ادوار ہیں اس انتخاب
میں یہ بہر طور کوشش کی گئی ہے کہ ان کی شاعری کے مختلف جہات
پروشنی کا رآجائیں ۔ خوش شاعر انقلاب بھی ہیں اور شاعر شباب
بھی ۔ وہ انقلابی لہجے کو بڑی خوب صورتی اور دلکشی سے اپنی
نظموں میں پیش کرتے ہیں اور شباب کی کیفیات کو بھی انتہائی
حد تک اسکا اثر سے نظم کے قالب میں ڈھال دیتے ہیں ۔

خوش کی انقلابی شاعری کسی سیاسی تحریک کی دین
نہیں وہ ان کے قوی اور توانا احساس کی پیداوار ہے ۔ اس
لیے اس پر کسی سیاسی لیبل لگانے کی کوشش نہ کی جائے
یہ خود ان کے شعور کا نتیجہ ہے ۔ بعض حلقوں میں خوش کی

ابتدائی شاعری کو خطابیہ لہجے کا اثر ساکن کم تر درجہ کی ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے گو کہ ایسا نہیں ہے مگر خطابت بھی ایک فن ہے اور بڑا اہم اور مشکل فن ہے یہ کوئی آسان نسخہ نہیں بلکہ بہت بھی ذہنی، علمی، ادبی اور لسانی دماغ اور ریاضت کا فن ہے اسے ہر کس و ناکس نہیں برت سکتا ہے۔ علامہ ابن رشد نے اپنی معرکہ آرا تصنیف الخطابہ میں اس فن کے مختلف پہلوؤں سے دلچسپ بحث کی ہے ان کے مطابق

"خطابت اس فن کو کہتے ہیں جس کی
مدد سے اپنی بات دوسروں سے موثر ڈھنگ
سے منوائی جا سکے"

ویسے اس کے لغوی معنی ہیں وعظ کہنا یا خطبہ پڑھنا

"اخطب یخطب خطبۃ وخطبا و
خطابۃ ای وعظ قرا الخطبۃ علی
الحاضرین یقال خطب القوم فی القوم"

انگریزی عربی، اردو اور فارسی وغیرہ میں اس فن سے متعلق بہت سی تصانیف منظر عام پر آ چکی ہیں —
خطابت کے دو اہم حربے مانے گئے ہیں ۔

(۱) حقایقی

(۲) ابلاغی

حقایقی سے ایسے واقعات اور حالات عبارت ہیں جن سے کسی مخصوص عمل یا ردعمل کا ایسا محاطت کے لیے لازمی ہو جائے۔

• ابلاغی مقاصد ۔ اظہار خیال و مطالب کے لیے
مناسب الفاظ، خصوصی انداز بیان اور منفرد لب و لہجہ
ہے جس سے کہ بات آسانی سے سمجھ سکے
یعنی ایسا انداز جو دلوں کو گرما دے، کسی بات کی وضاحت
کرے اور اسے باور کرانے میں مفید ہو یا تحریک پیدا کر کے سامعین
اور ناظرین کو مخصوص عمل پر آمادہ کرنے میں ممد و معاون
ثابت ہو۔

دراصل خطابت بڑا مبارک اور مشکل فن ہے یہ صلح
کی طرف بھی مائل کر سکتی ہے اور آمادۂ پیکار بھی کر سکتی ہے
یہ شاخ گل بھی ہے اور شمشیر بے نیام بھی خطابت مردہ
قوموں کو بیدار کرنے کا ہنر بھی جانتی ہے۔ دلوں میں
ولولہ اور حوصلہ بھی پیدا کرتی ہے مصائب اور شدائد
میں تسلی و تشفی کا موثر ذریعہ بھی بنتی ہے صبر و ضبط و تحمل
و استقلال کا درس بھی دیتی ہے اور سنان و شمشیر و
تفنگ اٹھانے کا حوصلہ بھی بخشتی ہے نظام اخلاق کو درست
کرتی ہے اور عظمت فکر سیرت و قوت عمل عطا کرتی ہے — ایک
لشکر جرار وہ کام نہیں کر سکتا جو ایک اچھا خطیب اپنے
خطابت کے جوہر سے انجام دے سکتا ہے۔ جوش نے بھی
خطابت اور خطابیہ انداز بیان اسی لیے اپنایا ہے اور ادب
اور خطابت کے قدیم اور اہم رشتوں کو استوار کیا ہے جوش
خطابت سے اپنے موضوع کی پوری تشریح و توضیح بڑی خوبی
سے اور موثر طور پر کر دیتے ہیں ان کی شاعری کا طرۂ امتیاز
یہی خطابیہ لہجہ رہا ہے جو ہر خرابی کے دل میں بار بار آیا ہے

جوش کی انقلابی نظموں میں بھی یہی کیفیت ملتی ہے جس سے
ان کی نظمیں دلوں میں نشتر کی طرح اُتر جاتی ہیں بقول
پروفیسر حسف موی

> جوش کی باغیانہ عزم میں ڈھلی
> نظموں میں عربی شاعری کا رجزیہ آہنگ
> ملتا ہے لیکن ہندوستانی اصنامیات کی روایت
> کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہے جیسا کہ
> "پیمانِ محکم" میں جہاں موت سے جنگ
> کرنے والے اُن غازیوں کی قسم کھائی گئی ہے
> جن کے رحم اپنی تلوار کی پرستش سے کرتے ہیں
> وہاں رام، لچھمن اور ارجن کو بھی
> فراموش نہیں کیا گیا ہے بغاوت ——— اور
> "نعرۂ شباب" دونوں میں بجلی کی تیزی اور
> تلوار کی کاٹ ملتی ہے جوش نے اپنے عصر کی
> روح کو اس آب و تاب سے پیش کیا ہے کہ
> مستقبل کی آہٹ سنائی دینے لگتی
> ہے۔

جوش ہندوستان کی جنگِ آزادی کے علم بردار
ہیں وہ آزادی کو ہر حال اور ہر قیمت پر پانے کی کوشش
کرتے ہیں قوم کو للکارتے ہیں۔ اُن کی انقلابی نظمیں جدّ و
جہدِ آزادی کی مختلف سمت و رفتار کا اشاریہ ہیں ان میں
کئی خوبصورت اور دل کش موڑ ہیں جن سے اُن کا حطسانہ لہجہ

پُرکیف اور زیادہ تر بیان ہوتا ہے۔ وہ برطانوی جبر و استبداد کے خلاف
مہاجنی نظام کے خلاف، جاگیردارانہ نظام کے خلاف آگ برساتے
ہوئے نظر آتے ہیں۔ جوش کے عہد اور ماحول پر اگر نظر
ڈالی جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس دور میں ہر طرح
کا استحصال روا کر دیا گیا تھا جبر و بربریت کے کالے ناگ پھن
پھیلائے ہوئے تھے۔ جوش کی انقلابی شاعری کی روح بھی ماحول
اور زمانہ ہے جسے نظر انداز کر کے جوش کی فہم دشوار
ہو جائے گی۔

دراصل جوش کی انقلابی شاعری کا یہ سب سے نمایاں
کارنامہ ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے "کسان" اور اس کے فن
کو موضوعِ شاعری بنایا اس کے قبل کسی بھی شاعر نے غریب
مفلس، سماجی رتھ کے پہیوں میں کچلے ہوئے کسان
اور اس کے عمل کو سینے سے لگایا تھا جوش کی اس طرح
کی موضوعاتی نظموں میں ہندوستان کے گاؤں اور دور دراز
علاقے کی جمالیات کے توانا تر پیچ بھی نگاہوں میں گھوم
جاتے ہیں اور ایک اپنے پن کا احساس دلوں میں
انگڑائیاں لینے لگتا ہے وہ انقلابی لب و لہجے میں شمایات
کی گلابی لکیریں کھینچتے ہیں جس کی جھلک ایک دوسری دنیا میں
پہنچا دیتی ہے ان کی نظم "جامن والیاں" ______
بدلی کا چاند یا ______ "شکستِ خانقاہ" ______ وغیرہ
میں انقلابی اور رومانی کیفیت کے امتزاج کے دل میں
آتی ہیں جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ان نظموں میں
ہمارا سماج جیتا جاگتا انگڑائیاں لیتا ہوا نظر آتا ہے۔

جوش نے جدید مرثیہ کے آغاز میں بھی ایک انتہائی اہم
اور تاریخی رول ادا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ میرزا دبیر اور میر انیس
نے اردو مرثیہ کو اس بام عروج تک پہنچا دیا تھا جہاں سے مزید
ترقی کے امکانات کم تھے۔ جوش نے نئی راہ نکالی اور اردو مرثیہ کو
عصری حسیت اور دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے اس کی افادیت
اور اہمیت کو بیسویں اور اکیسویں صدی کے لیے بھی لازوال بنا دیا۔
اس طرح سے جوش نے اردو مرثیہ کی تاریخ کو نئے گراں وسعتوں سے
ہم کنار کر دیا ہے ـــــ ان کے مرثیے بھی شامل کر دیے گئے ہیں۔
اس طرح یہ انتخاب کلام جوش کے مختلف رنگ و آہنگ کا نمائندہ
بن گیا ہے۔ جدید نظمیں بھی اس انتخاب میں شامل کر دی گئی
ہیں جو اب تک کسی بھی انتخاب میں نہیں تھیں۔
یقین ہے کہ میرا یہ انتخاب طلبا، اساتذہ اور شائقین ادب
کے لیے مفید اور کارآمد ہوگا۔

میں برادر عزیز برجیش گوپال متل کا شکریہ ادا کرنا لازمی سمجھتا
ہوں کہ انہوں نے اس انتخاب کی ضرورت اور افادیت کو محسوس کیا اور
دیدہ زیب طرح سے آراستہ کر کے منظر عام پر لے آئے۔ ان کا پبلشنگ ہاؤس
کتابت اور طباعت کا اعلا اور ارفع معیار پیش کر رہا ہے۔ یہ
استعلال بھی ان کے ذوق نفاست کا آئینہ دار ہوگا۔

فقط
ڈاکٹر فضل امام

انگارے



پیامسلاد
شکستہ زنداں کا خواب
بغاوت
ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں سے
کسان
ہماس اور مفلس
ماتم آزادی
وا آستے عطا

جوش نے جدید مرثیہ کے آغاز میں بھی ایک انتہائی اہم
اور تاریخی رول ادا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ میرزا دبیر اور میر انیس
نے اُردو مرثیہ کو اس تمام عروج تک پہنچا دیا تھا جہاں سے مرثیہ
ترقی کے امکانات کم تھے جوش نے نئی راہ نکالی اور اُردو مرثیہ کو
عصری حیثیت اور دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے اس کی افادیت
اور اہمیت کو بیسویں اور اکیسویں صدی کے لیے بھی لازوال بنا دیا۔
اس طرح سے جوش نے اُردو مرثیہ کی تاریخ کو کئی گراں وسعتوں سے
ہمکنار کر دیا ہے — اُن کے مرثیے بھی شامل کر دیے گئے ہیں۔
اس طرح یہ انتخاب کلامِ جوش کے مختلف رنگ و آہنگ کا نمائندہ
بن گیا ہے۔ چند نئی نظمیں بھی اس انتخاب میں شامل کر دی گئی
ہیں جو اب تک کسی بھی انتخاب میں نہیں تھیں۔
یقین ہے کہ میرا یہ انتخاب طلبا اساتذہ اور شائقینِ ادب
کے لیے مفید اور کارآمد ہوگا۔

میں برادرِ عزیز پریم گوپال متل کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا
ہوں کہ انہوں نے اس انتخاب کی ضرورت اور افادیت کو محسوس کیا اور
بہتر طرح سے آراستہ کر کے منظرِ عام پر لے آئے۔ ان کا پبلشنگ ہاؤس
کتابت اور طباعت کا اعلا اور ارفع معیار پیش کرتا رہا ہے۔ اُمید ہے
انتخاب بھی ان کے ذوقِ نفاست کا آئینہ دار ہوگا۔

فقط

ڈاکٹر افضل امام

انگارے



یا میلاد
شکستِ زنداں ک
بغاوت
ایسٹ انڈیا کمپنی ک
کسان
ہماس اور معل
نامِ آزادی
داکرتے حطا

نیا میلاد

(۱)

اب سے تقریباً کچھتر سال پہلے ہمنشیں
مبتلا تھی سخت تشویش و تذبذب میں زمیں

دہر کا دورِ ما تقدم مل چکا تھا خاک میں
اور جواں دستور کم تھا مجلسِ ادراک میں

[illegible] ہو رہی تھی کہنہ قدروں کی حسیں
اور نئی قدریں تھی [illegible] صورت نشیں

ختم ہونے کو تھی تہذیب آری [illegible] قبر میں
اور نئی تہذیب مغرب تھی حجاب ابر میں

پست پر ٹوٹی پڑی تھیں کچھ پرانی سیڑھیاں
اور آگے کوئی رہبر تھا، نہ کوئی نردباں

[illegible] بیکسوں کی [illegible]
اور بے دینی میں [illegible] غنودہ تھی

[illegible]
اور جدید [illegible] علیم

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نسلِ انسانی کھڑی تھی ششدر و آتش بجاں — اک عبوری موڑ پر، دو عالموں کے درمیاں
کہنہ عالم میں حیات آمیز رقص و رم نہ تھا — جلد پیدا ہونے عالم میں اتنا دم نہ تھا

(۲)

آج لیکن عصرِ حاضر کا سماں کچھ اور ہے — اب زمیں کچھ اور ہے، اب آسماں کچھ اور ہے
ہاں وہی عالم کہ تھا مدت سے جس کا اشتیاق — آج پیدا ہو رہا ہے با ہزاراں طمطراق
جن کو یہ ڈر ہے کہ یہ مولود ہو گا نا سعید — ان کے اوجِ ذہن پر ہے یہ توہم شدید
اور جو کہتے ہیں جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے — کہہ دو، چپ ہو جائیں اک جنسِ دگر ہونے کو ہے
آج جو چھایا ہوا ہے زندگی پر یہ دھواں — اس دھویں میں رقصاں ہیں سیکڑوں رنگینیاں
اس شبِ جامد میں صبحِ سیلِ احساسات ہے — اب بھی تاریک رات ہے لیکن یہ پچھلی رات ہے
شب کے اس دھندلے افق سے با ہزاراں آب و تاب — امن و آسائش کا طالع ہو رہا ہے آفتاب
تیر تلواروں سے ہو کیوں عصرِ نو چیں بر جبیں — یہ تو اس موسم کے پھل ہیں، تیر تلواریں نہیں
ان پھلوں کو آدمی چکھ کر امر ہو جائے گا — آفتابِ حسنِ انساں جلوہ گر ہو جائے گا
اک انوکھی ضو سے دنیا جگمگا دی جائے گی — شمعِ برترِ آدمیت کی جلا دی جائے گی
کہہ رہا ہے صاف لفظوں میں زمیں کا غلغلہ — دردِ زہ میں مبتلا ہے مادرِ لیل و نہار
ہل رہا ہے یہ جو توپوں کی گرج سے آسماں — یہ تو ہے دراصل دردِ حمل کی آہ و فغاں
جس کو ہو اسقاط کا اندیشہ وہ دیوانہ ہے — یہ تصورِ ارتقا، اک حرفِ گستاخانہ ہے

نیا میلاد

(۱)

اس سے تقریباً پچھتر سال پہلے ہمنشیں
مبتلا تھی سخت تشویش و تذبذب میں زمیں

دہر کا بوڑھا تمدن مل چکا تھا خاک میں
اور جواں دستور گم تھا مجلسِ ادراک میں

خاک پہ رکھی ہوئی تھی کہنہ قدروں کی جبیں
اور نئی قدریں تھیں قصرِ ذہن میں خلوت نشیں

خستہ جاں تہذیبِ آبا جا چکی تھی قبر میں
اور نئی تہذیب مضمر تھی حجابِ ابر میں

پست پر ٹوٹی پڑی تھیں کچھ پرانی سیڑھیاں
اور آگے کوئی رہبر تھا، نہ کوئی نردباں

دیں کے دھارے کے اندر کلیوں کی رد یہ تھی
اور بے دینی میں تسفاف و نمایاں نمو یہ تھی

ہو چکا تھا پوچ و مہمل حرفِ آئینِ قدیم
اور جدید اخلاق تھا زیرِ حجاباتِ عظیم

بے ضیا پیغمبری تھی، کافری تاریک و تار
کس غضب کی کشمکش تھی، کس بلا کا انتشار

بس چکا تھا ظلمِ امروز ایک برق اس سوز
اور تھا دستورِ فردا کارخانے میں ہنوز

کہنگی بے روح تھی اور جدتیں بے برگ و بار
وہ ادھر مجبور تھی، اور یہ ادھر بے اختیار

وہ ترازو تولتی تھی جو حقائق کو کبھی
وقت کے گھس سے پڑی تھی خاک پہ ٹوٹی ہوئی

عالمِ ماضی اُلٹوں گور کی بستی میں تھا
عالمِ آئندہ بطن

نسلِ انسانی کھڑی تھی ستند راتش بجاں — اک عبوری موڑ پر، دو عالموں کے درمیاں

کہہ عالم ہیں حیات آمیز رقص و رم نہ تھا — جلد پیدا ہو، نئے عالم میں اتنا دم نہ تھا

(۲)

آج لیکن عصر حاضر کا سماں کچھ اور ہے — اب زمیں کچھ اور ہے، اب آسماں کچھ اور ہے

ہاں وہی عالم کہ تھا مدّت سے جس کا اشتیاق — آج پیدا ہو رہا ہے با ہزاراں طمطراق

جس کو یہ ڈر ہے کہ یہ مولود ہو گا نا سعید — اس کے اوج وہم یہ ہے پر تو وہم شدید

اور جو کہتے ہیں جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے — کہہ دو، جب ہو جائیں اک حسِ دگر ہونے کو ہے

آج جو چھایا ہوا ہے زندگی پر یہ دھواں — اس دھویں میں رقصاں ہیں سیکڑوں چنگاریاں

اس شبِ حادہ میں صبح سیلِ احساسات ہے — اب بھی ما مارات ہے لیکن یہ پچھلی رات ہے

شب کے اس دھندلے افق سے با ہزاراں آب و تاب — امن و آسائش کا طالع ہو رہا ہے آفتاب

تیر تلواروں سے ہو کیوں عصرِ نو چیں بر جبیں — یہ تو اس موسم کے کھیل ہیں، تیر تلواریں نہیں

ان بلوں کو آدمی حکم کرا امر ہو جائے گا — آفتابِ انساں جلوہ گر ہو جائے گا

، جائے گی — شمع رتر آدمیت کی جلا دی جائے گی

یہ کا ملتا — ... ہتلا ہے مادرِ نسلِ وبہار

آسماں — ... ں و صبح محل کی آہ فغاں

... ا — اک حرف گستاخانہ ہے

جنگ کی کھٹی سے آنے ہی پہ ہے بادِ مراد　　ارتقا پائے گا اب دو نوعِ انساں زندہ باد
آچکی ہے نقطۂ تکمیل پر حیوانیت　　دیکھ پیدا ہو رہی ہے، اک جدید انسانیت
پر تو تائید ہے اس پردۂ تردید میں　　ایک صالح زندگی ہے معرضِ تولید میں

آرہا ہے تازہ وارث، عالم ایجاد کا
جلد تر اعلان کر دو اک نئے میلاد کا

═══ : ═══

شکستِ زنداں کا خواب

کیا ہند کا زنداں کانپ رہا ہے گونج رہی ہیں تکبیریں
اکتائے ہیں شاید کچھ قیدی اور توڑ رہے ہیں زنجیریں

دیواروں کے نیچے آ آ کر یوں جمع ہوئے ہیں زندانی
سینوں میں تلاطم بجلی کا آنکھوں میں جھلکتی شمشیریں

بھوکوں کی نظر میں بجلی ہے، توپوں کے دہانے ٹھنڈے ہیں
تقدیر کے لب کو جنبش ہے، دم توڑ رہی ہیں تدبیریں

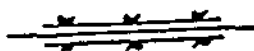
آنکھوں میں گدا کی سرخی ہے، بے نور ہے چہرہ سلطاں کا
تخریب نے پرچم کھولا ہے، سجدے میں پڑی ہیں تعمیریں

کیا ان کو خبر تھی، زیر و زبر رکھتے تھے جو روحِ ملت کو
ابلیں گے زمیں سے مارِ سیہ، برسیں گی فلک سے شمشیریں

کیا ان کو خبر تھی، سینوں سے جو خون چرایا کرتے تھے
اک روز اسی بے رنگی سے جھلکیں گی ہزاروں تصویریں

کیا ان کو خبر تھی، ہونٹوں پر جو قفل لگایا کرتے تھے
اک روز اسی خاموشی سے ٹپکیں گی دہکتی تقریریں

سنبھلو کہ وہ زنداں گونج اٹھا، جھپٹو کہ وہ قیدی چھوٹ گئے
اٹھو کہ وہ بیٹھیں دیواریں، دوڑو کہ وہ ٹوٹیں زنجیریں



بَغاوَت

ہاں بغاوت، آگ، بجلی، موت، آندھی میرا نام
میرے گرد و پیش اجل، میری جلو میں قتل عام

زرد ہو جاتا ہے میرے سامنے روئے حیات
کانپ اٹھتی ہے مری چین جبیں سے کائنات

جنگ کے میداں میں میری سیف کی اللہ ری ضو
خاک بن جاتی ہے بجلی، برف ہو اٹھتی ہے لو

ذکر ہوتا ہے مرا پرہول پیکاروں کے ساتھ
ذہن میں آتی ہوں تلواروں کی جھنکاروں کے ساتھ

اللہ اللہ کروٹیں میرے دل آزاد کی
جس سے گر جاتی ہیں ڈاٹیں قصر استبداد کی

میری اک جنبش سے ہوتا ہے جہاں زیر و زبر
میری سرتابی ثریا کا جھکا دیتی ہے سر

ایک چنگاری مری جنت کو کرتی ہے تباہ
مانگتا رہتا ہے میری آگ سے دوزخ پناہ

الحذر! میری کڑک کا زور ہنگام مصاف
صاف پڑ جاتا ہے ایوان حکومت میں شگاف

اللہ اللہ رزم ہستی میں مری گلباریاں
ٹکڑے ٹکڑے دست و بازو، ریزہ ریزہ استخواں

الاماں والحذر! میری کڑک، میرا جلال
خون، سفاکی، گرج، طوفاں، بربادی، قتال

برچھیاں، بھالے، کمانیں، تیر، تلواریں، کٹار
بیرقیں، پرچم، علم، گھوڑے، پیادے، شہسوار

آندھیوں سے میری اڑ جاتا ہے دنیا کا نظام
رحم کا احساس ہے میری شریعت میں حرام

موت ہے جو راک میری موت پر جیتی ہوں میں
سیر ہو کر گوشت کھاتی ہوں، لہو پیتی ہوں میں

پیاس سے باہر نکل پڑتی ہے جب میری زباں
بہنے لگتی ہیں سرِ میداں لہو کی ندیاں

جنگ کی صورت سے گو ہنگامہ کرتی ہوں شروع
امن کی صبحیں مرے خنجر سے ہوتی ہیں طلوع

میرا مولد مفلسی کا دل ہے عسرت کا دماغ
میری پیدائش کے حجرے میں نہیں جلتا چراغ

گود میں ناداریوں کی پرورش پاتی ہوں میں
بے زری کے بازوؤں پر زلف بکھراتی ہوں میں

بھوک سے ہر چند کیا کیا سرگراں ہوتی ہوں میں
بھوک ہی کا دودھ پی پی کر جواں ہوتی ہوں میں

گرم نالے سرد اندھیرے سے جگاتے ہیں مجھے
اشکِ غم ہر صبح آئینہ دکھاتے ہیں مجھے

مجکو کمین کے رسالے ہی سے ہر صبح و مسا
پیٹ کی ماری ہوئی مخلوق دیتی ہے غذا

حس کو حاصل زندگی کا کچھ مزا ہوتا نہیں
کچھ بھی جس کے پاس ماسی کے سوا ہوتا نہیں

حس کی جتیم تر میں یوں کھاتے ہیں ارماں پیچ و تاب
دھار پر تلوار کی جیسے شعاعِ آفتاب

ختم ہو جاتا ہے جب اہلِ جہاں کا غلغلہ
رات کے آغوش میں کھلتا ہے میرا مدرسہ

کھل کے پوری سانس لیتے سے بھی گھبراتی ہوں میں
درس لینے کے لیے بچوں کے ہاں جاتی ہوں میں

ہر قدم پر صوت آوازیں ستاتے ہیں مجھے
تیرہ دیواروں کے سائے تک ڈراتے ہیں مجھے

ایک دنیا سے رالی ہے مرے مکتب کی شاں
بند ہو جاتی ہیں آنکھیں اور کھلے رہتے ہیں کان

بستۂ قرطاس ہو سکتی نہیں میری کتاب
خوں کی چادر پہ چھپتا ہے مرا حرفِ لعاب

اف! در و دیوار میرے مدرسے کے الاماں!
درس دیتی ہیں جہاں سبھی ہوئی سرگوشیاں

دیکھنے سے جس کے پتھر کا بھی دل ہو جائے شق
مجھ کو وہ اترے ہوئے چہرے پڑھاتے ہیں سبق

اول اول جان دینے کا سبق لیتی ہوں میں
آخر آخر جان لینے کا سبق لیتی ہوں میں

کچھ دنوں تو فرطِ حیرت سے میں رہتی ہوں خموش
آخر آ جاتا ہے میری روحِ سرتابی کو جوش

پھر تو میں چنگھاڑتی ہوں خوفناک انداز میں
موت کی آواز ہوتی ہے مری آواز میں!

رزق کے سانچے میں ڈھل جاتی ہیں گفتاریں مری
میاں سے باہر نکل پڑتی ہیں تلواریں مری

موت بن کر زندگی کے سر پہ چھا جاتی ہوں میں
سب سے پہلے قوم کے غداروں کو کھا جاتی ہوں میں

سوئے ذلت سے جو پہلو مستقل رکھتے ہیں
ہاں وہی غدار سینوں میں جو دل رکھتے ہیں

سلطنت کی سمت پھر بڑھتی ہوں بل کھاتی ہوئی
قید اور قانون کو ذلت سے ٹھکراتی ہوئی

اپنی رو کی گرد میں صحنِ زمیں الٹے ہوئے
میاں سے خنجر نکالے، آستیں الٹے ہوئے

اٹھتی ہوں شہریوں کے سر پہ یہ کہہ کر کہ بس
تم ہو اہلِ تیغ، ناوک افگن، صف شکن، شمشیر زن

تم دلاوری، جنگجو، لشکر شکن، میرِ سپاہ
تم ہو رستم، مردِ میداں، شیر دل، عالم پناہ

تم ہو سرِ لشکر، سپاہی، برق پیما، سخت کوش
تم ہو صفدر، سورما، سادات سرکش، سر فروش

ایڑیاں تم اور رگڑو آب و دانہ کے واسطے
ریڑھ کی ہڈی ہو تم جسمِ جہاں کے واسطے

اے جواں مردو! یہ ذلت کس لیے سہتے ہو تم؟
مرد ہو کر ٹھوکروں کی زد پہ کیوں رہتے ہو تم؟

نامرد سیرت بن کے تو رہتے نہیں دنیا میں نر
ٹھوکروں کے واسطے ہوتا نہیں مردوں کا سر

لختِ دلِ انساں کھائے اور خونِ دل پیے
تف ہے اس جینے پہ مر مر کے جیے تو کیا جیے

سچ کہو تم ننگِ محکومی سے شرماتے نہیں؟ — کیا تم اپنی عورتوں کے سامنے جاتے نہیں؟

کب نکالو گے تمنائیں دلِ برباد کی؟ — کیا ہوئیں تیغیں تمہارے نامور اجداد کی؟

اے جواں مردو! خدارا باندھ لو سر سے کفن — سر برہنہ پھر رہی ہے عزتِ قوم و وطن

ہاں زمیں کو زیر کر کے آسمانوں پر چڑھو — ہاں بڑھو اے صف شکن شیرو! اٹھو جلدی بڑھو

پاؤں میں تا چند زنجیرِ غلامی کی خراش — صرف اک جنبش، ابھی ہوتی ہیں کڑیاں پاش پاش

میری آوازوں سے کانپ اٹھتا ہے رعونت کا سکوں — جذبۂ غیرت کی آنکھوں میں اتر آتا ہے خوں

شور اٹھتا ہے محض اک وہم ہے دار و رسن — یا تو اب ہم تاج ہی پہنیں گے یا اوڑھیں کفن

کپکپاتی ہے زمیں، اٹھتا ہے ہلکا سا غبار — دوڑنے لگتے ہیں مرکب، بڑھنے لگتے ہیں سوار

طبل کی دوں دوں سے جل اٹھتے ہیں آنکھوں میں چراغ — جھنجھناتے ہیں سلاسل سنسناتے ہیں دماغ

کھلنے لگتا ہے مگر جس وقت پرچم جنگ کا — پہلے بڑھ کر میں حکومت کو یہ دیتی ہوں صدا

اے حمایت گرِ امارت! دیکھ ناداروں سے بھاگ — بھاگ دیوانوں کی خوں آشام تلواروں سے بھاگ

موت کا پیغام ہے بپھرے ہوئے شیروں کا وار — مدعی اک دن یہاں آزادیوں سے ہوشیار

حلق ہے پیاسا ترا منہ جھلسنے کے لیے — تیرے سونے پر ہے اب لوہا برسنے کے لیے

تیرا مطبخ مفلسوں کی بھوک کھا جانے کو ہے — تیرے زر کی سرخیوں میں آگ لگ جانے کو ہے

حریت کی تند لہروں میں ٹھہر سکتا ہے کون؟ — جذبۂ خلقِ خدا کو فتح کر سکتا ہے کون؟

اس کی آنکھیں کھول دے جس [illegible] — جذبۂ خلقِ خدا ہے اصل میں عزمِ خدا

راہ سے اپنی مشیت کو ہٹا سکتا ہے کون؟
عزمِ خلاقِ جہاں کا سر جھکا سکتا ہے کون؟

گونجنے لگتی ہیں جب میری صدائیں مثلِ صور
سر اٹھا کر مسکراتا ہے حکومت کا غرور

معرکہ اور قطرۂ شبنم کا انگاروں کے ساتھ
پنکھڑی اور ناز سے پیش آئے تلواروں کے ساتھ

عقل کا دست سبک رخش جنوں کی باگ پر
قہقہہ خس کا کڑکتی بجلیوں کی آگ پر

ایک مٹی کے دیے کا طنز اور کعبے کا طاق
نرم و نازک آبگینہ اور پتھر سے مذاق

اس تمسخر سے مرے سینے میں لگ جاتی ہے آگ
قلعۂ شاہی کی جانب موڑ دیتی ہوں میں باگ

پھر تو جاتا ہے جدھر میرا جنونِ تند خو
پست پر ہوتی ہیں لاشیں، ہڈیاں، ڈھانچے، لہو

میرے گرد و پیش کی ہنگامہ خیزی الاماں
شور، غوغا، غلغلہ، فریاد، واویلا، فغاں

اللہ اللہ میرے دہشت ناک خونی ولولے
آندھیاں، طوفاں، تلاطم، سیل، صرصر، زلزلے

ابتری، وحشت، تزلزل، طنطنہ، دہشت، فساد
دبدبے، گرمی، کشاکش، ولولے، ہلچل، جہاد

کنگرے ایوانِ شاہی کے جھکا دیتی ہوں میں
قصرِ استبداد کی چولیں ہلا دیتی ہوں میں

دندناتی گنبدِ زریں میں گھس جاتی ہوں میں
چاٹ کر سونے کا پانی آگ برساتی ہوں میں

میرے طوقِ بے گلہ کے سامنے بے اختیار
کانپتا ہے طرۂ طرفِ کلاہِ شہریار

باندھ کر پیماں گدا کی خستہ سامانی کے ساتھ
کھیلنے لگتی ہوں ہولی خونِ سلطانی کے ساتھ

کس سے رکتی ہوں جب اپنی بات پر آتی ہوں میں
سلطنت کے سر کا گودا تک چبا جاتی ہوں میں

زیردستوں کو دلا کر خونِ حاکم سے خراج
قیدیوں کے سر پہ رکھ دیتی ہوں آزادی کا تاج

شعلے کی مانند یوں لیتی ہوں پھر انگڑائیاں — سینۂ ارض و سما سے اٹھنے لگتا ہے دھواں

الاماں ابرِ احسوں پر ورتمرّد، الاماں! — آسمانوں میں تھے دو حرف میں یہ داستاں

جب ازل میں سجدۂ آدم کا اٹھا تھا سوال — ہاں اسی ہلچل کے موقع پر کہ تھا وقتِ جلال

خود خدائے برتر و قہار سے افلاک پر — کی تھی میں نے گفتگو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

رعبِ سلطانی سے یہ چہرہ اتر سکتا نہیں — جو خدائی سے لڑے، شاہی سے ڈر سکتا نہیں



ایسٹ اِنڈیا کمپنی کے فرزندوں سے

کس زباں سے کہہ رہے ہو آج تم سوداگرو — دہر میں انسانیت کے نام کو اونچا کرو

جس کو سب کہتے ہیں ہٹلر بھیڑیا ہے بھیڑیا — بھیڑیے کو مار دو گولی پئے امن و بقا

باغِ انسانی میں چلنے ہی پہ ہے بادِ خزاں — آدمیت لے رہی ہے ہچکیوں پر ہچکیاں

ہاتھ ہے ہٹلر کا رخشِ خود سری کی باگ پر — تیغ کا پانی چھڑک دو جرمنی کی آگ پر

سخت حیراں ہوں کہ محفل میں تمھاری اور یہ ذکر — نوعِ انسانی کے مستقبل کی اب کرتے ہو فکر

جب یہاں آئے تھے تم سوداگری کے واسطے — نوعِ انسانی کے مستقبل سے کیا واقف نہ تھے؟

ہندیوں کے جسم میں کیا روحِ آزادی نہ تھی؟ — سچ بتاؤ کیا وہ انسانوں کی آبادی نہ تھی؟

اپنے ظلمِ بے نہایت کا فسانہ یاد ہے؟ — کمپنی کا پھر وہ دورِ مجرمانہ یاد ہے؟

لوٹتے پھرتے تھے جب تم کارواں در کارواں — سر برہنہ پھر رہی تھی دولتِ ہندوستاں

دست کاروں کے انگوٹھے کاٹتے پھرتے تھے تم — سرد لاشوں سے گڑھوں کو پاٹتے پھرتے تھے تم

صنعتِ ہندوستاں پر موت تھی چھائی ہوئی — موت بھی کیسی تمہارے ہاتھ کی لائی ہوئی

اللہ اللہ کس قدر انصاف کے طالب ہو آج — میر جعفر کی قسم کیا دشمنِ حق تھا سراج؟

کیا اودھ کی بیگموں کا بھی ستانا یاد ہے؟ — یاد ہے جھانسی کی رانی کا زمانہ یاد ہے؟

ہجرتِ سلطانِ دہلی کا سماں بھی یاد ہے؟ — شیرِ دل ٹیپو کی خونیں داستاں بھی یاد ہے؟

تیسرے فاقے میں اک گرتے ہوئے کو تھامنے — کس کے تم لائے تھے سر شاہِ ظفر کے سامنے؟

یاد تو ہوگی وہ مٹیا برج کی بھی داستاں — اب بھی جس کی خاک سے اٹھتا ہے رہ رہ کر دھواں

تم نے قیصر باغ کو دیکھا تو ہوگا بارہا — آج بھی آتی ہے جس سے ہائے اختر کی صدا

سچ کہو کیا حافظے میں ہے وہ ظلمِ بے پناہ — آج تک رنگوں میں اک قبر ہے جس کی گواہ

ذہن میں ہوگا یہ نظارہ [illegible] بھی؟ — یاد تو ہوگا تمہیں جلیاں والا باغ بھی

[illegible] اس سے تمہارا نام کیوں [illegible] ہے؟ — [illegible] دل بھی [illegible] ہے

[illegible] جس کے غم میں دل [illegible] — [illegible] پھیلا یاد ہے

[illegible] کس [illegible] تھے؟ — پوچھ لو [illegible] ہند کے [illegible] دیوار سے

[illegible] سر کو [illegible] — [illegible] کی صدا

آج کشتی اس کے امواج پر کھیتے ہو تم — سخت حیراں ہوں کہ اب کیوں درسِ حق دیتے ہو تم

اہلِ قوت دامِ حق میں تو کبھی آتے نہیں — "نیکی" اخلاق کو خطرے میں بھی لاتے نہیں

لیکن آج اخلاق کی تلقین فرماتے ہو تم — ہو نہ ہو اپنے میں اب قوت نہیں پاتے ہو تم

اہلِ حق روشن نظر ہیں، اہلِ باطل کور ہیں — یہ تو ہیں اقوال ان قوموں کے جو کمزور ہیں

آج شاید مستِ قوت میں تم رہتے نہیں — جس کی لاٹھی اس کی بھینس اب کس لیے کہتے نہیں

کیا کہا انصاف ہے انساں کا فرضِ اوّلیں — کیا فساد و ظلم کا اب تم میں کس باقی نہیں

دیر سے بیٹھے ہو نخلِ راستی کی چھاؤں میں — کیا خدا نا کردہ کچھ موچ آ گئی ہے پاؤں میں

گونج ٹاپوں کی نہ آبادی نہ ویرانے میں ہے — خیر تو ہے اسپ تازی کیا استعا خانے میں ہے

آج کل تو ہر نظر میں رحم کا انداز ہے — کچھ طبیعت کیا بنصیبِ دشمناں ناساز ہے؟

سانس کیا اکھڑی کہ حق کے نام پر مرنے لگے — نوعِ انساں کی ہوا خواہی کا دم بھرنے لگے

ظلم بھولے راگنی انصاف کی گانے لگے — لگ گئی ہے آگ کیا گھر میں کہ چلّانے لگے؟

مجرموں کے واسطے زیبا نہیں یہ شورشیں — کل یزید و شمر تھے اور آج بنتے ہو حسینؑ

خیر اے سوداگرو اب ہے تو بس اس بات میں — وقت کے فرماں کے آگے جھکا دو گردنیں

اک کہانی وقت لکھے گا نئے مضموں کی — جس کی سرخی کو ضرورت ہے تمہارے خون کی

وقت کا فرماں اپنا رخ بدل سکتا نہیں — موت ٹل سکتی ہے اب فرماں ٹل سکتا نہیں

کسان

جھٹپٹے کا نرم رو دریا، شفق کا اضطراب　　کھیتیاں، میدان، خاموشی، غروبِ آفتاب

دشت کے کام و دہن کو، دن کی تلخی سے فراغ　　دور دریا کے کنارے، دھندلے دھندلے سے چراغ

زیرِ لب ارض و سما میں باہمی گفت و شنود　　مشعلِ گردوں کے بجھ جانے سے اک ہلکا سا دود

وسعتیں میداں کی سورج کے چھپ جانے سے تنگ　　سبزۂ افسردہ پر خواب آفریں ہلکا سا رنگ

خامشی اور خامشی میں سنسناہٹ کی صدا　　شام کی خنکی سے گویا دن کی گرمی کا گلا

اپنے دامن کو برابر قطع سا کرتا ہوا　　تیرگی میں کھیتیوں کے درمیاں کا فاصلہ

خار و خس پر ایک دردانگیز افسانے کی شان　　بامِ گردوں پر کسی کے روٹھ کے جانے کی شان

دوب کی خوشبو میں شبنم کی نمی سے اک سرور　　چرخ پر بادل، زمیں پر تتلیاں، سر پر طیور

پارہ پارہ ابر، سرخی، سرخیوں میں کچھ دھواں　　بھولی بھٹکی سی زمیں، کھویا ہوا سا آسماں

پتیاں مخمور، کلیاں آنکھ جھپکاتی ہوئی　　نرم جاں پودوں کو گویا نیند سی آتی ہوئی

یہ سماں اور اک قوی انسان یعنی کاشتکار　　ارتقا کا پیشوا، تہذیب کا پروردگار

طفلِ باراں، تاجدارِ خاک، امیرِ بوستاں　　ماہرِ آئینِ قدرت، ناظمِ بزمِ جہاں

ر، پاسبانِ رنگ و بو، گلشن پناہ　　ناز پرور لہلہاتی کھیتیوں کا بادشاہ

وارثِ اسرارِ فطرت، فاتحِ امید و بیم　　محرمِ آثارِ باراں، واقفِ طبعِ نسیم

صبح کا فرزند، خورشیدِ زر افشاں کا علَم　　محنتِ پیہم کا "پیماں"، سخت کوشی کی "قسم"

جلوۂ قدرت کا شاہد، حسنِ فطرت کا گواہ　　ماہ کا دل، مہرِ عالم تاب کا نورِ نگاہ

قلب پر جس کے نمایاں نور و ظلمت کا نظام　　منکشف جس کی فراست پر مزاجِ صبح و شام

خون ہے جس کی جوانی کا بہارِ روزگار　　جس کے اشکوں پر فراغت کے تبسم کا مدار

جس کی محنت کا عرق تیار کرتا ہے شراب　　اُڑ کے جس کا رنگ بن جاتا ہے جانِ پرورِ گلاب

قلبِ آہن جس کے نقشِ پا سے ہوتا ہے رقیق　　شعلہ جوں جھونکوں کا ہمدم تیر کرنوں کا رفیق

جوں جس کا کلیوں کی انجمن میں باریاب　　جس کے سر پر جگمگاتی ہے کلاہِ آفتاب

لہر کھاتا ہے رگِ خاشاک میں جس کا لہو　　جس کے دل کی آنچ بن جاتی ہے سیلِ رنگ و بو

دوڑتی ہے رات کو جس کی نظر افلاک پر　　دن کو جس کی انگلیاں رہتی ہیں نبضِ خاک پر

جس کی جانکاہی سے ٹپکاتی ہے امرت نبضِ تاک　　جس کے دم سے لالہ و گل بن کے اتراتی ہے خاک

سایۂ دولت کو عطا کرتی ہے نعمے جس کی آہ　　مانگتا ہے بھیک تابانی کی جس سے روئے شاہ

جوں جس کا دوڑتا ہے سعیِ استقلال میں　　لوچ بھر دیتا ہے جو شہزادیوں کی چال میں

جس کے ماتھے کے پسینے سے پئے عز و وقار　　کرتی ہے دریوزۂ تابش کلاہِ تاجدار

سرنگوں رہتی ہیں جس سے قوتیں تخریب کی　　جس کے بوتے پر لچکتی ہے کمر تہذیب کی

جس کی محنت سے مہکتا ہے تن آسانی کا باغ　　جس کی ظلمت کی ہتھیلی پر تمدّن کا چراغ

جس کے بازو کی صلابت پر نزاکت کا مدار — جس کے کس بل پر اکڑتا ہے غرورِ شہریار

دھوپ کے جھلسے ہوئے رخ پر مشقت کے نشاں — کھیت سے پھیرے ہوئے منہ، گھر کی جانب ہے رواں

ٹوکرا سر پر، بغل میں پھاوڑا، تیوری پہ بل! — سامنے بیلوں کی جوڑی، دوش پر مضبوط ہل!

کون ہل! ظلمت شکن قندیلِ بزمِ آب و گل — قصرِ گلشن کا دریچہ، سینۂ گیتی کا دل

خوشنما شہروں کا بانی، رازِ فطرت کا سراغ — خاندانِ تیغ جوہر دار کا چشم و چراغ

دھار پر جس کی چمن پرور شگوفوں کا نظام — شامِ زیرِ ارض کو صبحِ درخشاں کا پیام

ڈوبتا ہے خاک میں جو روح دوڑاتا ہوا — مضمحل ذروں کی موسیقی کو چونکاتا ہوا!

جس کے چھو جاتے ہی مثلِ نازنینِ مہ جبیں — کروٹوں پر کروٹیں لیتی ہے لیلائے زمیں

پردہ ہائے خواب ہو جاتے ہیں جس سے چاک چاک — مسکرا کر اپنی چادر کو ہٹا دیتی ہے خاک

جس کی تابش میں درخشانی ہلالِ عید کی — خاک کے مایوس مطلع پر کرن امید کی

جس کا مس خاشاک میں بنتا ہے اک یاد رہیں — جس کا لوہا مان کر سونا اگلتی ہے زمیں

ہل پہ دہقاں کے چمکتی ہیں شفق کی سرخیاں — اور دہقاں سر جھکائے گھر کی جانب ہے رواں

اُس سیاسی رتھ کے پہیوں پر جمائے ہے نظر — جس میں آ جاتی ہے تیری کھیتیوں کو روند کر

اپنی دولت کو جگر پر تیرِ غم کھاتے ہوئے — دیکھتا ہے ملکِ دشمن کی طرف جاتے ہوئے

قطع ہوتی ہی نہیں تاریکیِ حرماں سے راہ — فاقہ کش بچوں کے دھندلے آنسوؤں پہ ہے نگاہ

پھر رہا ہے خونچکاں آنکھوں کے نیچے بار بار — گھر کی ناامید دیوی کا شبابِ سوگوار

سوچتا جاتا ہے کس آنکھوں سے دیکھا جائے گا — بے ردا بیوی کا سر، بچوں کا منہ اترا ہوا

سیم و زر، نان و نمک، آب و غذا کچھ بھی نہیں — گھر میں اک خاموش ماتم کے سوا کچھ بھی نہیں

" ایک دل، اور یہ ہجومِ سوگواری ہائے ہائے — یہ ستم اے سنگدل سرمایہ داری ہائے ہائے

تیری آنکھوں میں ہیں غلطاں وہ شقاوت کے شرار — جن کے آگے خنجرِ چنگیز کی مڑتی ہے دھار

مفلسوں کے خون میں ڈوبے ہوئے ہیں تیرے ہاتھ — کیا چبا ڈالے گی او کمبخت ساری کائنات؟

ظلم اور اتنا، کوئی حد بھی ہے اس طوفان کی — بوٹیاں ہیں تیرے جبڑوں میں غریب انسان کی

دیکھ کر تیرے ستم اے حامیٔ امن و اماں! — گرگ رہ جاتے ہیں دانتوں میں دبا کر انگلیاں

اِدعائے پیروئ دین و ایماں، اور تو — دیکھ اپنی کہنیاں جن سے ٹپکتا ہے لہو

ہاں سنبھل جا، اب کہ زہرے اہلِ دل کے آب ہیں — کتنے طوفاں تیری کشتی کے لیے بیتاب ہیں



جس کے بازو کی صلابت پر نزاکت کا مدار　　جس کے کس بل پہ اکڑتا ہے غرورِ شہریار

دھوپ کے جھلسے ہوئے رخ پر مشقت کے نشاں　　کھیت سے پھیرے ہوئے منہ، گھر کی جانب ہے رواں

ٹوکرا سر پر، بغل میں پھاوڑا، تیوری پہ بل!　　سامنے بیلوں کی جوڑی، دوش پر مضبوط ہل!

کون ہل! ظلمت شکن قندیلِ بزمِ آب و گل　　قصرِ گلشن کا دریچہ، سینۂ گیتی کا دل

خوشنما شہروں کا بانی، رازِ فطرت کا سراغ　　خاندانِ تیغ جوہر دار کا چشم و چراغ

دھار پر جس کی چمن پرور شگوفوں کا نظام　　شامِ ویرانی کو صبحِ درخشاں کا پیام

ڈوبتا ہے خاک میں جو روح دوڑاتا ہوا　　مضمحل ذروں کی موسیقی کو چونکاتا ہوا

جس کے چھو جاتے ہی مثلِ نازنینِ مہ جبیں　　کروٹوں پر کروٹیں لیتی ہے لیلائے زمیں

پردہ ہائے خواب ہو جاتے ہیں جس سے چاک چاک　　مسکرا کر اپنی چادر کو ہٹا دیتی ہے خاک

جس کی تابش میں درخشانی ہلالِ عید کی　　خاک کے مایوس مطلع پر کرن امید کی

جس کا مَس خاشاک میں بنتا ہے اک چادر مہین　　جس کا لوہا مان کر سونا اگلتی ہے زمیں

ہل یہ دہقاں کے چمکتی ہیں شفق کی سرخیاں　　اور دہقاں سر جھکائے گھر کی جانب ہے رواں

اس سیاسی رتھ کے پہیوں پر جمائے ہے نظر　　جس میں آ جاتی ہے تیری کھیتیوں کو روند کر

اپنی دولت کو جگر پر تیرِ غم کھاتے ہوئے　　دیکھتا ہے ملکِ دشمن کی طرف جاتے ہوئے

قطع ہوتی ہی نہیں تاریکیٔ حرماں سے راہ　　فاقہ کش بچوں کے دھندلے آنسوؤں پر ہے نگاہ

پھر رہا ہے خونچکاں آنکھوں کے نیچے بار بار　　گھر کی نا امید دیوی کا شباب سوگوار

سوچتا جاتا ہے کس آنکھوں سے دیکھا جائے گا ‏ ‏ بے ردا بیوی کا سر، بچوں کا منہ اترا ہوا

سیم و زر، مال و منال، آرام و غذا کچھ بھی نہیں ‏ ‏ گھر میں اک خاموش ماتم کے سوا کچھ بھی نہیں

ایک دل، اور یہ ہجومِ سوگواری ہائے ہائے ‏ ‏ یہ ستم اے سنگدل سرمایہ داری ہائے ہائے

تیری آنکھوں میں ہیں غلطاں وہ شقاوت کے شرار ‏ ‏ جن کے آگے خنجرِ چنگیز کی مڑتی ہے دھار

بیکسوں کے خوں میں ڈوبے ہوئے ہیں تیرے ہاتھ ‏ ‏ کیا چبا ڈالے گی او کمبخت ساری کائنات؟

ظلم اور اتنا کوئی حد بھی ہے اس طوفاں کی ‏ ‏ بوٹیاں ہیں تیرے جبڑوں میں غریب انساں کی

دیکھ کر تیرے ستم اے حامیِ امن و اماں ‏ ‏ گرگ رہ جاتے ہیں دانتوں میں دبا کر انگلیاں

ادعائے پیروئ دین و ایماں، اور تو ‏ ‏ دیکھ اپنی کہنیاں جن سے ٹپکتا ہے لہو

ہاں سنبھل جا اب کہ زہرے اہلِ دل کے آب ہیں ‏ ‏ کتنے طوفاں تیری کشتی کے لیے بیتاب ہیں



مہاجن اور مفلس

مہاجن

قد کی لمبائی سے اک حد تک کمر جھکی ہوئی
سر پہ چٹیا، مردہ چوہے کی طرح سوکھی ہوئی

دانت میلے، پنڈلیاں پیچیدہ، دھوتی داغدار
ناک میں مونچھوں کے گوبھے، پیٹ میں توندی کا غار

سامنے غلے کے بورے، پشت پر الماریاں
تھیلیوں میں کروٹیں لیتی ہوئی زرداریاں

کہنیاں تکیے کے اندر وزن سے دھنستی ہوئی
چست صدری، دائرے پر توند کے کستی ہوئی

جوش لے کر ڈکاریں، دل کو بہلاتا ہوا
دونوں ہاتھوں کو پھیلائے، توند سہلاتا ہوا

ہنس کے غوطے آبِ سرد و گرم میں دیتا ہوا
قرض کے طالب کے دل کا امتحاں لیتا ہوا

غدر کرتا، پے بہ پے تیوری چڑھاتا بار بار
شدتِ حاجت کا اندازہ لگاتا بار بار

کشتیٔ ہستی کو جوئے سیم میں کھیتا ہوا
الٹی سانسیں، فربہی کے بار سے لیتا ہوا

روح کی تاریکی پہ زر کی سرخیاں چھائی ہوئی
بے حقیقت خاک سونا بن کے اترائی ہوئی

کان کے ملنے نمودِ زر کا دم بھرتے ہوئے
سود کے بارے میں کچھ سرگوشیاں کرتے ہوئے

عالمِ اخلاق کو زیر و زبر کرتا ہوا
بے زری کی شام سے اخذِ سحر کرتا ہوا

مفلس

ضعف سے آنکھوں کے نیچے نیلیاں پھوٹی ہوئی
اوجِ خودداری سے دل پر بجلیاں گرتی ہوئی

لاش کاندھے پر خود اپنے جذبۂ تکریم کی
ملتی چہرے پہ لہریں سی امید و بیم کی

عزتِ اجداد کے سر پر دمادم ٹھوکریں
رعشۂ آواز پر لفظوں کی پیہم ٹھوکریں

چہرۂ افسردہ پر ٹھنڈا پسینہ شرم کا
سست نبضیں، بھیک کا لہجے کے اندر ٹھیکرا

قرض کی درخواست کی الجھی ہوئی تقریریں
کپکپی اعصاب کی، بے چین دل کی لرزشیں

اک طرف حاجت کی شدت، اک طرف غیرت کا جوش
نطق پر حرفِ تمنا، دل میں غصے کا خروش

حسرتِ مژگاں کے زیرِ سایہ، ناداری کی رات
جوہرِ انسانیت جوڑے ہوئے آنکھوں میں ہات

سانس دہشت سے زمیں کی آسماں روکے ہوئے
مفلسی مردانہ لہجے کی عناں روکے ہوئے

لب کی خشکی، رخ پہ زردی، آنکھ شرمائی ہوئی
چشم و ابرو میں خودی کی آگ کملائی ہوئی

نفس میں شیرانہ تیور، آرزو، روبہ مزاج
احتیاج و احتیاج و احتیاج و احتیاج



ماتمِ آزادی

اے ہمنشیں! فسانۂ ہندوستاں نہ پوچھ — رودادِ جامِ کشتیٔ پیرِ مغاں نہ پوچھ

ربط سے کیوں بلند ہوئی ہے فغاں نہ پوچھ — کیوں باغ پر محیط ہے ابرِ خزاں نہ پوچھ

کیا کیا نہ گل کھلے روشِ فیضِ عام سے

کانٹے پڑے زباں میں پھولوں کے نام سے

پیدا ہوئیں وہ نیم جو ٹھنڈی ہوا چلی — گم ہو گئی شمیم جو بادِ صبا چلی

انگریز نے وہ چال بہ زورِ دغا چلی — برپا ہوئی برات کے گھر میں چلا چلی

خوں میں بہار کے آتے ہی بہ گیا

اترا جو طوق اور کسی دم گھٹ کے رہ گیا

جھومی گھٹا، فضا سرور آمیز ہو گئی　　کھولی خوشی نے زلفِ غم انگیز ہو گئی

مچلی نسیم عقل، جنوں خیز ہو گئی　　سائے میں دھوپ اور بھی کچھ تیز ہو گئی

یارا، چلی جو سرد ہوائیں تو چڑھ گیا

درماں ہوا تو دردِ جگر اور بڑھ گیا

اک دل نشیں کلی جو سرِ باغ کھل گئی　　تو خاک میں لطافتِ گلزار مل گئی

یہی قبائے زخم تو ملدا اور چھل گئی　　ٹھہرا جو دل تو صرکی مسادہل گئی

تسم اُدھر گہر، ورقِ گل یہ جڑ گئی

گلزار زندگی پر اِدھر اوس پڑ گئی

ناچے کے تو شورِ فغاں دور تک گیا　　کشتی ملی تو خیرے دریا بجک گیا

تبسم گری، دلِ سمس و سر دیک گیا　　بوندیں پڑیں تو اور بھی گلشن دہک گیا

اپنا گلا جو دستِ ترحم سے چھٹ گیا

تلوار سے بچا تو رگِ گل سے کٹ گیا

دولت ملی تو اور بھی نادار ہو گئے　　صحت ہوئی نصیب تو بیمار ہو گئے

اترا جو بار اور گراں بار ہو گئے　　آزادیوں ہوئے کہ گرفتار ہو گئے

پگھلا جو آسماں تو زمیں سنگ ہو گئی

پو یوں پھٹی کہ صبح تمیں دنگ ہو گئی

باطل ہوا جو خوف تو دل اور ڈر گیا   بھیگیں مسیں تو زیست کا منہ اور اتر گیا
پایاب عمر کا پیمانہ بھر گیا   پرساں ہوئے مسیح تو بیمار مر گیا

نغمے چھڑے تو شورشِ بیکار رہ گئے
گونجے جو راگ تیغ کی جھنکار رہ گئے

چہکے جو اعتماد کے گلزار میں طیور   بے اعتمادیوں کا گیا شور دور دور
دوڑا رخِ فسردہ پہ جب زندگی کا نور   دی موت نے صدا کہ "کمیتے تری حضور"

باقی رہے جگہ نہ کوئی موت کے لیے
لونڈی سبھا میں آئی ہے ڈنڈوت کے لیے

فتنے مٹے تو اس کی دولت نہیں رہی   انساں کی وہ قدر وہ قیمت نہیں رہی
حاصل ہوا عروج تو عزت نہیں رہی   پائی جو حریت تو حرارت نہیں رہی

جب روزگار گرم ہوا سنگ ہو گئے
وسعت ملی تو اور بھی دل تنگ ہو گئے

چھٹکی جو چاندنی تو بڑھی ظلمتوں کی شان   بازار جب کھلا تو ہوئی بند ہر دکان
چھیڑے جو راگ سر پہ کڑکنے لگی کمان   چھت کی لگی جو ڈاٹ تو شق ہو گیا مکان

درماں سے اور دل ہمہ تن درد ہو گیا
پھوٹی کرن تو صبح کا منہ زرد ہو گیا

شادی ہوئی تو غم کے مزاے لٹا دیے — کچھ یوں دیے جلائے کہ دل ہی بجھا دیے

سہرا بندھا تو شرم کے پردے اٹھا دیے — مہندی لگی تو خون کے دریا بہا دیے

دولہا نے تو حد مسرت سے بڑھ گئے

گھوڑے کے لات مار کے سولی پہ چڑھ گئے

دیکھے تو سوز موج تکلم نہیں رہا — چہکے تو لحن ساز ترنم نہیں رہا

لپکے تو رقص و رنگ و تبسم نہیں رہا — مہکے تو بوئے گل کا تلاطم نہیں رہا

کاسے جو تار دیو مس بولے لگا

جیسے ہوئے جو لعب تو رن لولے لگا

ابھرے تو جوش بادہ گساراں نہیں رہا — بادل گھرے تو رنگ بہاراں نہیں رہا

آئیں کھلیں تو رقص نگاراں نہیں رہا — لوٹ کھلی تو مجمع یاراں نہیں رہا

کوئی سبیلِ بادہ پرستی نہیں رہی

مستی کی رات آئی تو مستی نہیں رہی

جب باغبانِ قوم ظفر مند ہو گیا — ہر برگ نرم خاک کا پیوند ہو گیا

عاشق جو وصل یار سے خورسند ہو گیا — داغ جگر داغ یہ دل مند ہو گیا

اترا بخار عقل کو طاعون ہو گیا

پیدا ہوا لہو تو جگر خون ہو گیا

بخیہ ہوا تو اور بھی چادر اُدھڑ گئی　　بندھن کھلے تو جسم کی رگ رگ جکڑ گئی
بھرنے لگے جو شہر تو بستی اجڑ گئی　　ٹوٹی رسن تو عقل میں زنجیر پڑ گئی

طاقت ملی تو کوئی توانا نہیں رہا
رسا جو میہ تو کھیت کا دانا نہیں رہا

بارش ہوئی زمین دندک کر اُبل گئی　　اودی گھٹا اٹھی تو ہری دوب جل گئی
ابھری حیات موت کے سانچے میں ڈھل گئی　　ما نہیں پڑیں گلے میں کہ تلوار چل گئی

آبِ لقا سے زہر کی لہریں ابل پڑیں
بوسے لیے تو منہ سے زبانیں نکل پڑیں

دشمن گئے تو دوست بنے دشمنِ وطن　　شبنم جو پڑی تو کھول گئے لالہ و سمن
سنکی ہوائے سرد تو کجلا گیا چمن　　خلعت کی تہہ کھلی تو برآمد ہوا کفن

نغمے چھڑے تو شورِ سرِ بام مچ گیا
چٹکی کلی تو باغ میں کہرام مچ گیا

ہر موئے زلف اینٹھ گیا، مار بن گیا　　ہر مہر کا خطیب جفاکار بن گیا
ہر صبح کا رسول، شبِ تار بن گیا　　ہر لوچ اک اُٹھی ہوئی تلوار بن گیا

دل کی نگاہ طور سے بے طور ہو گئے
ہم نوجواں ہوتے ہی کچھ اور ہو گئے

سکھ نے گرو کے نام کو بٹہ لگا دیا — مندر کو برہمن کے حیل نے گرا دیا

مسجد کو شیخ جی کی کرامت نے ڈھا دیا — مجنوں نے بڑھ کے پردۂ محمل جلا دیا

اک سوئے ظن کو غلغلۂ عام کر دیا

مریم کو خود مسیح نے بدنام کر دیا

سکوں کے انجمن میں خریدار آ گئے — سیٹھوں کے خاندان وفادار آ گئے

کھدر پہن کے بداطوار آ گئے — در پر سفید پوش سیہ کار آ گئے

تاریکیوں کو چھوڑ کے روشن جبیں گئے

جو لوگ آسماں تھے زیرِ زمیں[1] گئے

پل بھر میں سونے دشت جنوں مڑ گیا سماج — اپنے وطن کی شرم نہ اپنے گرو کی لاج

رسمیں بدل گئیں، نہ وہ بالا ہوا رواج — وہ گفتگو رہی نہ وہ لہجے، نہ وہ مزاج

گھر اپنا گھر گرہست ہی خود موسنے لگی

حد ہے زبانِ دیو پری چوسنے لگی

چلنے لگی لعنت یہ چھری انتقام کی — چھا ٹی گئیں تمام جو لطفیں تھیں کام کی

رحمٰن ہی کی بات چلی اور نہ رام کی — گدی سے کھینچ لی گئی جو زباں تھی عوام کی

حیواں تو کھلا گئے منہ کھولنے لگے

انساں بولیاں وہ نئی بولنے لگے

[1] under ground

بخیہ ہوا تو اور بھی یاور اُدھڑ گئی　　بندھن کھلے تو جسم کی رگ رگ جکڑ گئی
بھرے لگے جو شہر تو بستی اُجڑ گئی　　ٹوٹی رسن تو عقل میں زنجیر پڑ گئی

طاقت ملی تو کوئی توانا نہیں رہا
رسا جو بیعہ تو کیفیت کا دانا نہیں رہا

بارش ہوئی رہیں دنبک کر امل گئی　　اودی گھٹا اٹھی تو ہری دوب جل گئی
ابھری حیات، موت کے سانچے میں ڈھل گئی　　بانہیں پڑیں گلے میں کہ تلوار چل گئی

آبِ لقا سے زہر کی لہریں ابل پڑیں
بوسے لیے تو منہ سے زبانیں نکل پڑیں

دشمن گئے تو دوست ہے دشمنِ وطن　　شبنم جو پی تو کھول گئے لالہ و سمن
سنکی ہوائے سرد تو کجلا گیا چمن　　خلعت کی تہہ کھلی تو برآمد ہوا کفن

نغمے چھڑے تو شورِ سرِ بام مچ گیا
چٹکی کلی تو باغ میں کہرام مچ گیا

ہر موئے زلف اینٹھ گیا، مار بن گیا　　ہر مہر کا خطیب حفاکار بن گیا
ہر صبح کا رسول، شبِ تار بن گیا　　ہر لوچ اک اُبی ہوئی تلوار بن گیا

بدلی نگاہ طور سے بے طور ہو گئے
ہم نوجواں ہوتے ہی کچھ اور ہو گئے

مسجد کو شہید نے بے آب کر دیا　　مرد و زن کو خس و خاشاک کر دیا
چھوٹے اداروں کو خاک کر دیا　　تجھ جیسے گل نے دامن کو چاک کر دیا

نسبت جو تیرے اٹھتے گئے وہ لے اڑے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

خائن، رشوت خور امانت میں بار یاب　　شیطاں بنے فرازِ ہدایت کے آفتاب
پرمٹ جو بیچتے ہیں جو بے حد و بے حساب　　ان خائنوں کا حضرتِ ایاس ہے خطاب

وہ جو تمام راہزنوں کا امام ہے
وہ شخص آج خضر علیہ السلام ہے

دیتے تھے صبح و شام سزائیں جو ناسزا　　گردن پہ جن کی خوں ہے مردانِ راہ کا
کل جن کی ڈپٹیوں کا نشانہ تھے رہنما　　ان ڈپٹیوں کو ہم نے کمشنر بنا دیا

قیدی چھٹے تو غیرت برباد ہو گئے
جو قید کر رہے تھے وہ آزاد ہو گئے

حکام مجرموں کے ہیں دامن سیئے ہوئے　　سی آئی ڈی ہے بادۂ غفلت پیئے ہوئے
دار و غم ہیں قتل بدوں کو دیئے ہوئے　　چوروں سے کوتوال ہے سازش کیے ہوئے

رشوت کے عادیوں کو اچھالے ہوئے ہیں ہم
سانپوں کو آستیں میں پالے ہوئے ہیں ہم

غدار تھے جو کل وہ محبِ وطن ہیں آج — بدخواہِ باغ ہمدمِ سرو و سمن ہیں آج

کل تک تھے جو سموم، نسیمِ چمن ہیں آج — خسرو کے جو غلام تھے وہ کوہکن ہیں آج

لچھمن کا دل ہے شدتِ غم سے پھٹا ہوا

در پر ہے رام چندر کے راون ڈٹا ہوا

مفسد ہیں فوج اس کے سالار آج کل — ڈاکو ہیں سیم و زر کے نگہدار آج کل

زاغ و زغن ہیں مطربِ گلزار آج کل — افسر ہیں بلبلوں کے چڑیمار آج کل

چنگیز خاں ہیں عیسیِٰ دوراں بنے ہوئے

کانٹے ہیں چوبِ خیمۂ بستاں بنے ہوئے

برطانیہ کے حامی غلامانِ خانہ زاد — دیتے تھے انگلیوں سے جو حبِ وطن کی داد

جن کی ہر ایک ضرب ہے اب تک سروں کو یاد — وہ آئی سی ایس اب بھی ہیں خوش وقت و بامراد

شیطان ایک رات میں انسان بن گئے

جتنے نمک حرام تھے کپتان بن گئے

سینوں سے اٹھ رہی ہے وہی بے دلی کی بھاپ — اب بھی بغل میں پُن کو دبائے ہوئے ہے پاپ

ماتھے پہ اب بھی "دولتِ طاغوت" کی ہے چھاپ[1] — بیٹے ہیں اس کے آج بھی ہم لوگ اور وہ باپ

آزادیاں ہیں لوٹے غلامی لیے ہوئے

اب بھی سروں پہ تاج ہے سایہ کیے ہوئے

[1] common wealth

حور گلوں میں تھیں جگہ دم تھا مشتاق　　کیا برا ہے باغ تو نکھرا ہوا جل

لیکن وائے سر سبز یہ کثرت ہوئی　　عشاق کی رونق ہے روانی تپ وصال

مشہور ہے دور حیات گزری ہوئی

افسانے کے میں ہیں اب پڑی ہوئی

دریا اقت ارکا اثر ہے کمال　　دیکھو تو سر مد نمود تو پامال

کاوش کے دھوپ میں گرد سے ہوئی　　عمارت کا رنگ روپ ہے برش کی پہلی ادا

ہاتھوں سے پھول جب ہوئے لیے ہوئے

سنہری گرد کی تہ میں چھپے ہوئے

گر صبح کا منہ دست ہے کا ہر　　ہر آنکھ اعتزاز کسی شمس پہ ہو

شعلہ ہے یہ مگر کب خلقت ہو　　اور سب میں دل پڑی کا گلہ ہو

ریشمی تھے کئی رستے ہو گئے

گئے دو ہو ات ہیں کاوش ہو گئے

جن کے قلم ہیں تیغ و تبر سے لڑے ہوئے　　جن کی لڑائیوں کے ہیں جھنڈے گڑے ہوئے

حق پر ہیں جو پہاڑ کی صورت اڑے ہوئے　　ذلت کے غار میں ہیں وہ اب بھی پڑے ہوئے

شاعر ہو یا ادیب قلندر ہے آج بھی

انگریز کا غلام گورنر ہے آج بھی

وہ شاعرانِ قوم گراں قدر و معتبر　　رہتے ہیں جن کی جیب میں اسرارِ کرّوفر

سورج پہ جن کا ہاتھ ہے اور پاؤں چاند پر　　روٹی وہ ڈھونڈتے ہوئے پھرتے ہیں دربدر

کیا چیز ہے ادب یہ کوئی جانتا نہیں

جانے وہ کیا جو حرف بھی پہچانتا نہیں

وہ جن کی وسعتوں کی کوئی انتہا نہیں　　سب سے سوا انھیں کے لیے تنگ ہے زمیں

دفتر میں کوئی قید، کوئی نوریاتیں　　وہ اشتری ہے کوئی کہیں ہے کوئی کہیں

لوگ آئے اور گئے بھی عدا مانتے ہوئے

یہ رہ گئے دوات و قلم چاٹتے ہوئے

جاہل حضور کو نظر آتا ہے دور میں　　عالم کو آنکھ اٹھا کے کبھی دیکھتے نہیں

باطل بھی تو حق پہ چڑھائے ہے آستیں　　بیٹھی ہے آسماں کو دبوچے ہوئے زمیں

کوا اسے زمزموں کی ترا رد ساہوا

205434

مرغِ چمن ہے کاٹھ کا الّو سا ہوا

تصویر بن رہی ہے رقص میں [illegible]   لچکا ہوا ہے بازو تو بکھرا ہوا بال

[illegible] ایک سرمدی ہے کثرت میں   عشاق کی رونق ہے یہاں شب وصال

معشوق ہے دور دیا سے گزری ہوئی

افکار کے گلے میں یہاں نہیں پڑی ہوئی

[illegible] اقتدار کا اثر ہے کمال   دیکھو تو سر [illegible] تو پامال

[illegible]   بھارت کا رنگ روپ ہے برٹش کی [illegible]

قدرت نے [illegible] جب [illegible] لیے ہوئے

ساری گرو کی [illegible] لیے ہوئے

[illegible]   جو آتے [illegible] کس شخص پر [illegible]

[illegible]   [illegible]

[illegible]

جن کے قلم ہیں تیغ و تبر سے لڑے ہوئے   جن کی لڑائیوں [illegible]

حق پر ہیں جو پہاڑ کی صورت اڑے ہوئے   دولت کے [illegible]

شاعر ہو یا ادیب قلندر ہے آج بھی

انگریز کا غلام گورنر ہے آج بھی

وہ شاعرانِ قوم گراں قدر و معتبر   رہتے ہیں [illegible]

سورج پہ جن کا ہاتھ ہے اور پاؤں چاند پر   روٹی وہ ڈھونڈ [illegible]

کیا چیز ہے ادب یہ کوئی جانتا نہیں

جانے وہ کیا جو حرف بھی پہچانتا نہیں

وہ جن کی وسعتوں کی کوئی انتہا نہیں   [illegible]

دفتر میں کوئی قید، کوئی نوریاں نہیں   وہ افسری [illegible]

آئے اور گئے کسی عدالت بن کے

رہ گئے دوات و قلم چاٹتے ہوئے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

چھائی ہوئی ہیں زیرِ فلک بدحواسیاں — آنکھیں اداس اداس تو سر ہیں دھواں دھواں

سوکھے ہوئے ہیں ہونٹ تو اینٹھی ہوئی زباں — وہ ضعف ہے کہ منہ سے نکلتی نہیں فغاں

اک دوسرے کی شکل کو پہچانتا نہیں

میں خود ہوں کون؟ یہ بھی کوئی جانتا نہیں

خاموش ہیں طیور، چمن سر بہ در گلو — تانیں فسردہ، حوصلے انگور زرد زرد

پھولوں کو اب نہیں ہے تمنائے رنگ و بو — بلبل کو آشیاں میں قفس کی ہے آرزو

غارت گرِ بہار کا منہ چومنے لگے

آئیں جو آندھیاں تو مگن جھومنے لگے

سروِ سہی، نہ ساز، نہ سنبل، نہ سبزہ زار — بلبل، نہ باغباں، نہ بہاراں، نہ برگ و بار

جیحون، نہ جامِ جم، نہ جوانی، نہ جوئے بار — گلشن، نہ گل بدن، نہ گلابی، نہ گل عذار

اب برگِ گل نہ بادِ صبا مانگتے ہیں لوگ

وہ حبس ہے کہ لُو کی دعا مانگتے ہیں لوگ

پھر زلزلے ہیں راکبِ گیتیِ زندگی — بے آئین ہے ناظمِ آئینِ زندگی

پھر مرگ کی چھائی ہیں فتوحاتِ زندگی — پھر موت ہے پیامبرِ دینِ زندگی

پھر تنگِ زندگی سے ڈرتے نہیں ہیں لوگ

بس اے حیات بس کہ یہ جانتے ہیں لوگ

ٹ پاتھ، کارخانے، ملیں کھیت، بھٹیاں   گرتے ہوئے درخت، سلگتے ہوئے مکاں

جھتے ہوئے یقیں، بھڑکتے ہوئے گماں   ان سب سے اٹھ رہا ہے بغاوت کا پھر دھواں

شعلوں سے پیکروں کے لپٹنے کی دیر ہے

آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے کی دیر ہے

وہ تازہ انقلاب ہوا آگ پر سوار   وہ سنسنائی آنچ وہ اڑنے لگے شرار

وہ گم ہوئے پہاڑ وہ غلطاں ہوا غبار   اے بے خبر! وہ آگ لگی آگ، ہوشیار

بڑھتا ہوا فضا پہ قدم مارتا ہوا

کھو یہاں آ رہا ہے وہ پھنکارتا ہوا

(۱۹۴۷ء)

ڈاکٹر سے خطاب

ہوشیار اے ذاکرِ افسردہ فطرت ہوشیار   مردِ حق اندیشہ اور باطل سے ہو زار و زار
ضعف کا احساس اور مومن کو کیا یہ خلفشار   لافتیٰ الا علیؑ لا سیف الا ذوالفقار

جو حسینی ہے کسی قوت سے ڈر سکتا نہیں
موت سے ٹکرا کے بھی سادات مر سکتا نہیں

تو نہیں روحِ شہیدِ کربلا سے بہرہ مند   تیرے شانوں پر تو زلفِ بزدلی کی ہے کمند
سخت استعجاب ہے اے پیشہ ور ماتم پسند   پیروِ پیغمبر کے سینے میں ہو قلبِ گوسفند

ننگ کا موجب ہے یہ اہلِ وفا کے واسطے
یوں نہ ماتم کر شہیدِ کربلا کے واسطے

مانعِ شیون نہیں میرا پیامِ مستقل — گریۂ فطری تو ہے دشمن پہ بھی بھر آتا ہے دل
دل نہیں پتھر ہے مولا پر نہ ہو جو مضمحل — گریۂ مومن سے ہے تزئینِ بزمِ آب و گل
کون کہتا ہے کہ دل کے حق میں غم اچھا نہیں
پھر بھی شغلِ گریہ بعد العین بن سکتا نہیں

ہاں میں واقف ہوں کہ آنسو ہے وہ تیغِ آبدار — سنگ و آہن میں اتر جاتی ہے جس کی نرم دھار
ہے مگر مردانگی کو ان خشک اشکوں سے عار — جن کے تیتوں میں غلطاں ہوں شجاعت کے شرار
اشک بے سوزِ دروں پانی ہے ایماں کی قسم
قلبِ شبنم پر شعاعِ مہرِ تاباں کی قسم

سوچ تو اے ذاکرِ افسردہ طبع و نرم خو — آہ تو نیلام کرتا ہے شہیدوں کا لہو
تاجرانہ مشق ہے مجلس میں تیری ہاؤ ہو — فیس کا دریوزہ ہے منبر پہ تیری گفتگو
عالمِ اخلاق کو زیر و زبر کرتا ہے تو
خونِ اہلبیت میں لقمے کو تر کرتا ہے تو

حرص نے تجھ کو سکھایا ہے دناءت کا سبق — کربلا کے ذکر میں لیتا نہیں کیوں نامِ حق
چشمۂ دولت ہے تیرا سیلِ اشکِ بے قلق — خوں کی چادر سے سونے کے بناتا ہے ورق
جادۂ زر بار ہے دولت سرا تیرے لیے
اک دفینہ ہے زمینِ کربلا تیرے لیے

کیا بتاؤں کیا تصور تو نے پیدا کر دیا — غیرتِ حق کو بھلا کر، حق کو رسوا کر دیا
کربلا و خونِ مولا کو تماشا کر دیا — "آب رُکنا باد" و "گلستانِ مصلّٰے" کر دیا

مشقِ گریہ عیش کی تمہید ہے تیرے لیے
عشرۂ ماہِ محرم عید ہے تیرے لیے

سوچ تو کچھ جی میں اے مشتاقِ راہِ مستقیم — مومنوں کے دل ہوں اور واماندۂ امید و بیم
شدتِ آہ و بکا سے دل ہوں سینوں میں دو نیم — کیوں یہی لے دے کے تھا کیا مقصدِ ذبحِ عظیم

خوف ہے قربانیٔ اعظم نظر سے گر نہ جائے
ابنِ حیدر کے لہو پر دیکھ پانی پھر نہ جائے

سایۂ عشرت ہے تجھے ذکرِ امامِ مشرقین — ڈھالتا ہے تیرے سکّے خستگانِ غم کا بین
تیری دار الضرب ہے اہلِ عزا کا شور و شین — سر جھکا لے شرم سے اے تاجرِ حزنِ حسینؑ

ذہن میں آتا ہو جس کا نام تلواروں کے ساتھ
اس کا ماتم اور ہو سکّوں کی جھنکاروں کے ساتھ

غم کے سکّے بہرِ دنیا کے ڈھالے جائیں گے؟ — کب تک ہم آخر پئے عشرت رلائے جائیں گے،
دام پر تا چند یوں دانے گرائے جائیں گے، — آنسوؤں سے تا کجا "موتی" بنائے جائیں گے،

بہرِ لقمہ تا کے منبر پہ منہ کھولے گا تو؟
تا کجا پانی کے کانٹے پر لہو تولے گا تو؟

کربلا میں اور تجھ میں اتنا بعد المشرقین — اُس طرف شورِ رجز خوانی، ادھر دے کے بین

اُس طرف تکبیر، ادھر ہنگامہائے شور و شین — اِس طرف اشکوں کا پانی، اُس طرف خونِ حسینؑ

وہ تجھے کس منزل میں اور تو کونسی منزل میں ہے

شرم سے گڑ جا، اگر احساس تیرے دل میں ہے

کربلا سے واقفیت بھی ہے مردِ معقول؟ — کربلا دریدہ بشاش اور بظاہر مضمحل

جس کی رفعت سے بلندی آسمانوں کی خجل — جس کے ذروں پہ دھڑکتے ہیں جوان مردوں کے دل

خندہ زن ہے جس کی رفعت گنبدِ افلاک پر

مُہرِ تکمیلِ نبوت ثبت ہے جس خاک پر

جس کے ہر ذرے میں غلطاں ہیں ہزاروں آفتاب — خار کی بھیوں میں جاری ہے جہاں خونِ گلاب

جس کے خار و خس میں ہے خوشبوئے آلِ بوتراب — کربلا تاریخِ عالم میں نہیں تیرا جواب

کربلا! تو آج بھی قائم ہے اپنی بات پر

مہراب بھی سجدہ کرتا ہے ترے ذرات پر

اے ضیاءِ دودمانِ مصطفیٰ کی بارگاہ — تیرے خار و خس پہ ہے تابندہ خون

تیری جانب اٹھ رہی ہے اب بھی یزداں کی نگاہ — آ رہی ہے ذرے ذرے سے صدا

اے زمیں، خوش ہو کہ تیری ریت ریت ہے جبیں

تیرے سائے میں محوِ خوابِ راحت ہے حسین

جو دہکتی آگ کے شعلوں پہ سویا وہ حسین — جس نے اپنے خون سے عالم کو دھویا وہ حسین

جو جواں بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسین — جس نے سب کچھ کھو کے پھر کچھ بھی نہ کھویا وہ حسین

مرتبہ اسلام کا جس نے دوبالا کر دیا

خون نے جس کے دو عالم میں اجالا کر دیا

نطق جس کا نغمۂ سازِ پیمبر وہ حسین — تھا جو تشریحِ مصطفیٰ تفسیرِ حیدر، وہ حسین

تشنگی جس کی جوابِ موجِ کوثر وہ حسین — لاکھ پر بھاری رہے جس کے بہتر وہ حسین

جو محافظ تھا خدا کے آخری پیغام کا

جس کی نبضوں میں مچلتا تھا لہو اسلام کا

ہنس کے جس نے پی لیا جامِ شہادت وہ حسین — مر گیا لیکن نہ کی فاسق کی بیعت وہ حسین

ہے رسالت کی سپر جس کی امامت وہ حسین — جس نے رکھ لی نوعِ انسانی کی عزت وہ حسین

وہ کہ سوزِ غم کو سانچے میں خوشی کے ڈھال کر

مسکرایا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

اے حسین، اے تکملِ افسانۂ تری ہمت کا باغ — آندھیوں سے لڑ رہا ہے آج بھی تیرا چراغ

تو نے دھو ڈالے حسینِ ملتِ بیضا کے داغ — تیرے دل کے سامنے لرزاں ہے باطل کا دماغ

فکر کا دل میں دریچہ مار کرنا چاہیے

جس کا تو آقا ہو، اس کو ناز کرنا چاہیے

کھول آنکھیں اے اسیرِ کاکلِ زشت و نکو — آہ کس موہوم موجوں پہ بہا جاتا ہے تو

ختم ہے آنسو بہانے پر ہی تیری آرزو — اور شہیدِ کربلا نے تو بہایا تھا لہو

ہاتھ ہے ماتم میں تیرا سینۂ افگار پر

اور حسینؑ ابنِ علیؑ کا ہاتھ تھا تلوار پر

تھیں بہتّر خوں چکاں تیغیں حسینی روح کی — اور صرف اک سیدِ سجّاد کی زنجیر تھی

آنی تیغوں کی رہی دل میں نہ تیرے یاد بھی — حافظے میں صرف اک زنجیر باقی رہ گئی

ذہن کو بے چارگی سے انس پیدا ہو گیا

اتبعِ عالم کے پیرو! یہ تجھے کیا ہو گیا

آہ تو اور ساز و برگِ ماتمیت کا اہتمام — کیوں نہیں کہتا کہ باطل کی حکومت ہے حرام

تجھ کو اور رنداں کا ڈر کیوں اے غلامِ سنگ و دام — جانتا ہے رہ چکے ہیں قید میں کتنے امام؟

تو مثالِ اہلبیتِ پاک مر سکتا نہیں

عشق کا دعویٰ ہے اور تقلید کر سکتا نہیں

دیکھ مجھ کو دیکھ، میں ہوں ایک رندِ بادہ خوار — رسمِ تقویٰ ہی سے واقف ہوں نہ طاعت سے دوچار

سر پہ ہے تملہ نہ کاندھے پر عبائے زرنگار — موت کو لیکن سمجھتا ہوں حیاتِ پائیدار

رسم در راہِ رہرو تقویٰ کو سبک کرتا ہے تو

قتل سے ڈرتا نہیں میں، قید سے ڈرتا ہے تو

جوف کا حس ہے زمانے ترے سر پر سوار ۔۔۔ خوف ہے اک نامبارک طائرِ مردار خوار
باغ و گلستاں سے نہیں ہوتی نظر جس کی دوچار ۔۔۔ روز و شب لاشوں پہ منڈلاتا ہے جو دیولہ وار

تیرے سر پر اس کا منڈلانا تماشا تو نہیں ؟

غور کر تو اک عفونت چیر لاتا تو نہیں ؟

خلق میں محشر بپا ہے اور تو مصروفِ خواب ۔۔۔ خوں میں ذلت کی موجیں کھا رہی ہیں پیچ و تاب
تیری غیرت کو خبر بھی ہے کہ دشمن کا عتاب ۔۔۔ تیری ماں بہنوں کی راہوں میں الٹتا ہے نقاب

اب تو زخمی شیر کی صورت بپھرنا چاہیئے

یہ اگر ہمت نہیں تو ڈوب مرنا چاہیئے

دیکھ تو کتنی مکدر ہے فضائے روزگار ۔۔۔ کس طرح چھایا ہوا ہے، حق پہ باطل کا غبار
رزمِ یزدانی میں روحِ اہرمن ہے گرمِ کار ۔۔۔ میاں سے باہر ابل پڑ، اے علیؑ کی ذوالفقار

نقشِ حق کو اب بھی او غافل اجلی کرتا نہیں

اب بھی تقلیدِ حسین ابن علی کرتا نہیں!

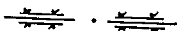


سبنم



پروگرام

اے شخص اگر جوشؔ کو تو ڈھونڈھنا چاہے — وہ پچھلے پہر حلقۂ عرفاں میں ملے گا
اور صبح کو وہ ناظرِ نظارۂ قدرت — طرفِ چمن و صحنِ بیاباں میں ملے گا
اور دن کو وہ سرگشتۂ اسرار و معانی — شہرِ ہنر و کوئے ادیباں میں ملے گا
اور شام کو وہ مردِ خدا، رندِ خرابات — رحمت کدۂ بادہ فروشاں میں ملے گا
اور رات کو وہ خلوتیِ کاکل و رخسار — بزمِ طرب و کوچۂ خوباں میں ملے گا
اور ہوگا کوئی جبر تو وہ بندۂ مجبور — مُردے کی طرح خانۂ ویراں میں ملے گا



خرابات

یہ خرابات ہے تقوے کا نہیں کام یہاں
عیشِ طاعت ہے تماشائے لبِ جام یہاں

رقص کرتی ہے رہیں رات کی رنگینی میں
وجد کرتا ہے فلک صبح کے ہنگام یہاں

میکدے میں نہ ہو لے تسبیحِ حرم نکتہ فروش
کہ ازل سے نہیں گنجائشِ اوہام یہاں

اثرِ تربیتِ پیرِ مغاں کے قرباں
خارج از بحث ہے اندیشۂ آلام یہاں

شکر باری کہ علی الرغمِ فقیہِ خود بیں
حکمِ ایزد ہے کہ گردش میں رہے جام یہاں

میکدے کا ہے مشیت کے اشاروں پہ مدار
جام در دست ہیں خود شرع کے احکام یہاں

طوطیٔ قدس ہے اک رشتہ بپا صید زبوں
طائرِ سدرہ ہے اک مرغِ تہِ دام یہاں

سایۂ زلف سے ہے زینتِ دوشِ رنداں
ظلمتِ کفر سے ہے رونقِ اسلام یہاں

اثرِ بے بصری ہے طلبِ جاہ و نمود
ہدفِ مسخرگی ہے ہوسِ نام یہاں

خونِ رنداں قدح خوار ہے اور لعلِ نگار
لبِ جبریل نہیں درخورِ پیغام یہاں

کسی صورت میں کہیں باقی نہیں جائے تاویل
کسی آیت میں بھی ممکن نہیں ابہام یہاں

شعلۂ عشق ہے اس راہ میں چڑھتی ہوئی دھوپ
مشعلِ عقل ہے خورشیدِ لبِ بام یہاں

منزلیں راہ میں تبدیل ہوا کرتی ہیں
رہرو بہ آغاز ہی رہتا ہے ہر اک گام یہاں

قیمت بادہ میں جو خرقہ کہ ہوتا ہے گرد — اس پہ قرباں ہیں سوحامۂ احرام یہاں
جوشِ عشقی کی اداسی کے عوض چہروں پر — کھیلتا ہے اثرِ بادۂ گلفام یہاں
اک توہم ہے رہ و رسم شمارِ مہ و سال — اک تمسخر ہے نظامِ سحر و شام یہاں
ذرّے ذرّے پہ ہے اتنا ابدیّت کا جلال — وقت رہتا ہے سدا لرزہ براندام یہاں
گرد رنداں پہ مست، بصد عشوہ و ناز — حلقہ باندھے ہوئے رہتے ہیں گل اندام یہاں
خوابِ صد سالہ کے مانند ہے اے محرمِ راز — وقفۂ یک نفس و لغزشِ یک گام یہاں
لب ہلاتے ہی خود دنیا کو ہلا دیتے ہیں — چند ایسے بھی نکل آئیں گے خدّام یہاں
شکر ہے خوش کہ اوراد و وظائف کے عوض — لب پہ ہے زمزمۂ حافظ و خیام یہاں



بھٹکتی ہوئی نیکی

ہر شے کو مسلسل جنبش ہے، راحت کا جہاں میں نام نہیں — اس عالمِ سعی و کاوش میں انساں کے لیے آرام نہیں

چھائی ہے فضا پر تشنہ لبی، مفقود یہاں سیرابی ہے — ہر جسم میں اک بے چینی ہے، ہر روح میں اک بے تابی ہے

اس بزمِ خلش کا ہر ذرہ، بے چینیوں کے انبوہ میں ہے — اک رعشۂ مبہم کاہ میں ہے، اک لرزشِ پنہاں کوہ میں ہے

لیلائے سماعت مضطر ہے، عشرت کے ترانے سننے کو — ہر نقص کا دامن پھیلا ہے تکمیل کی کلیاں چننے کو

ہیجان ہے جسمِ پستی میں رفعت کا نوشتہ پڑھنے کا — اک دھن ہے ترقی کرنے کی اک جوش ہے آگے بڑھنے کا

ہر موم کی دھن ہے شمع بنے، مضطر ہے پگھل جانے کے لیے — ہر سنگ کا سینہ جلتا ہے پارس میں بدل جانے کے لیے

انگاروں پہ شعلے لوٹتے ہیں بجلی پہ تفوق پانے کو — چنگاریاں مرغِ بسمل ہیں تاروں کی جگہ کھل جانے کو

بے چین بگولا رقصاں ہے آندھی پہ شرف پانے کے لیے — جو موج ہے پیچ و تاب میں ہے دھارے سے الجھ جانے کے لیے

ہر قطرۂ دریا غلطاں ہے، موتی پہ تسلط پانے کو — ہر ذرۂ خاکی اڑتا ہے خورشید سے ٹکر کھانے کو

ہر دل میں غرض اک کاوش ہے امید کا ساغر بھرنے کی — ہر شے کی تڑپتی فطرت میں خواہش ہے ترقی کرنے کی

ہر لمحہ یہ خواہش روحانی جذبوں کو ابھارا کرتی ہے — میداں کے تپتے ذروں کو سورج سے بنایا کرتی ہے

وہ چور جو شب کے پردے میں سرقے کی غرض سے آتا ہے — جو بید کی ماتی بستی پر ظلمت کی طرح چھا جاتا ہے

اک ایسی ہی خواہش اس کو بھی چوری کے لیے اکساتی ہے — جس طرح کی خواہش نورانی دیوتاؤں میں پائی جاتی ہے

سارق بھی فرشتوں ہی کی طرح تسکین و طرب کا جویا ہے — ہر چند کہ اس نے قسمت سے تسکین کا رستہ کھویا ہے

رہبر ہو کہ رہزن دونوں میں تسکین کی خواہش یکساں ہے — ہر چند وہ سیدھی راہ پہ ہے، وہ راہ بھٹک کر حیراں ہے

عارف نے یہ سمجھا آسائش اشکوں کو گرا کر ملتی ہے — قاتل نے یہ سمجھا انساں کا وہ خوں بہا کر ملتی ہے

صوفی نے یہ سمجھا وہ دل کے پیمانے میں مل جائے گی — میکش کی سمجھ میں یہ آیا میخانے میں مل جائے گی

پس ذوقِ طرب میں جو انساں بہتا ہے سدا بیماروں میں — ہے اصل میں وہ بھی دنیا کے معصوم ترین انسانوں میں

جال اس پہ نہ ڈال اے صید افگن یہ بامِ حرم کا طائر ہے — آیا ہے بھٹک کر دیر میں جو گمراہ نہیں ہے، زائر ہے

جتنے بھی رہیں یہ مجرم ہیں خواہش ہی کے زیرِ فرماں ہیں — ہر جرم پہ ان کے محضر پر خواہش ہی کی مہریں تاباں ہیں

المختصر ان تشریحوں سے ہم پر یہ حقیقت کھلتی ہے — کہتے ہیں جسے دنیا میں "بدی" بھٹکی ہوئی وہ اک نیکی ہے



گنگا کے گھاٹ پر

بڑھائے سرخیٔ عارض ہوائے صحرا سے — نہایا کوئی چلا آ رہا ہے گنگا سے

سبو اٹھا کے سر پر نظر جھکائے ہوئے — دبائے دانتوں میں آنچل، بدن چرائے ہوئے

لبوں پہ مہرِ خموشی، خموشیوں میں حجاب — کمر میں لوچ، جبیں پر دمک، نظر میں شراب

قدم قدم پہ تمنائیں دلستانی کی — رخِ شگفتہ پہ طغیانیاں جوانی کی

شراب ناب لیے نرگسی کٹوروں میں — لہو چمن کا رواں سرخ سرخ ڈوروں میں

دراز زلف میں جادو، سیاہ آنکھ میں مدھ — نسیمِ صبح سا رس، ہلالِ تمام ادھ

ہوائے صبح سے روشن چراغِ سیم تنی — شگفتہ غسلِ سحر سے مزاجِ گل بدنی

نظر آئے وہ چہرے پہ چادرِ آبی — بیاضِ شبنم میں گل کاریِ شکر خوابی

خنک نسیم سے ابھرے ہوئے نقوشِ شباب — صباحتیں ہیں کہ برسات کی شبِ مہتاب

عجیب حسن ٹپکتا ہے جسمِ دارو سے — مہک رہا ہے بدن کس کی خوشبو سے

مقابلہ جو کرے کوئی چاند پھیکا ہے — جبیں تو روح پہ صندل کا سرخ ٹیکا ہے

نمی ہے زلف میں، اشناں کر کے نکلی ہے — یہ کس کی موت کا ساماں کر کے نکلی ہے

لبوں پہ کھیل رہا ہے اثر نہانے کا — گماں ہوتا ہے ہر بار مسکرانے کا

سیاہ زلف پہ آنچل خفیف آبی ہے — برہنہ پا ہے تو ہر نقش پا گلابی ہے

مری طرف سے کوئی کاش یوں ہو گرمِ خطاب — کہ وقت صبح ہے اے دخترِ شبِ مہتاب

ازل کے دن سے درِ حسن کا بھکاری ہوں — ادھر بھی ایک نظر، میں ترا پجاری ہوں



رقص

ہاں اٹھا لے روحِ موسیقی ربابِ رفتگاں
رقص کی تشریح پر مائل ہے شاعر کی زباں

رقص کیا ہے، خاک کے دل میں خروشِ کائنات
پیکرِ فانی میں گرمِ ناز، لافانی حیات

جلوۂ محدود کے دل میں بہ ایمائے شباب
حسنِ لامحدود سے جانے کا تیریں پیچ و تاب

چاندنی میں جوڑے تیرے جیسے تھم تھم کر بہے
انکھڑیوں کی شعر گوئی، ساعدوں کے زمزمے

محملِ صورت میں لیلائے معانی کا سماؤ
جنبشِ مژگاں میں سیال نغموں کا بہاؤ

جوں میں لہریں، یہ لہریں لحن لے آواز کی
لغزشوں پر لغزشیں مشقِ خرامِ ناز کی

خیر سمجھا دوں، ذرا لا تو مینائے شراب
رقص اس موقع پہ چہرے سے الٹتا ہے نقاب

حسنِ صدا کی سنسناہٹ اور ساغر کی کھنک
قامتِ موزوں میں بن جاتی ہے ہلکی سی لچک

رقص ہے دراصل رعنائی کا لحنِ بےخروش
قلبِ نازک میں تمنائے ہم آغوشی کا جوش

جنبشِ مژگاں کی رنگیں مست، تیری داستاں
عشوۂ ترکانہ کی سحر آفریں انگڑائیاں

معنیٔ بےلفظ کی تشریح دل آویز و خموش
حرارتِ پیہم کی بیتابی، تمنا کا خروش

جوں کی گردش میں رہ رہ کر رگ رگ پیچ و خم
حوصلوں کی بےقراری، ولولوں کا پیچ و خم

حوصلے طوفاں خیز کے سایے میں ڈھلنے کی امنگ
کھینچ لے آغوشِ تمنا میں مچلنے کی امنگ

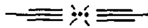
دستِ و پا کے لوچ میں اس حرفِ مبہم کا ظہور — نطق کی پرواز سے ہے آشیانہ حس کا دور

حالِ وجد کی نغمہ ریزی، ابروؤں کی گفتگو — نرگسِ مخمور میں طغیانِ شرحِ آرزو

جذبۂ بیدار کا پالا ہوا خوابِ گراں — جنبشِ مژگاں کی گویائی اشاروں کی زباں

ایک ایسا ساز، مابینِ یقین و اشتباہ — پا سکے جس کو نہ کان اور بس سکے جس کو نگاہ

تو بھی اس خاموش ہو پیمانہ بھرنے دے مجھے — جھوم کر بربط اٹھا اور رقص کرنے دے مجھے



سرشکِ تبسم

اٹھا شاعر کہ انساں کشتۂ آلام ہے ساقی — یہ بربط ہے، یہ مے، آگے خدا کا نام ہے ساقی

نہ جانے نوعِ انساں کیوں اجل سے خوف کھاتی ہے — اجل کہتے ہیں جس کو زحمتِ یک گام ہے ساقی

حقیقت کیا سمجھ میں آسکے اشیائے عالم کی — فقط اک شکل ہے ساقی، فقط اک نام ہے ساقی

سناؤ سازِ حکمت کے ترانے کس توقع پر — کہ اب تک نوعِ انساں بندۂ اوہام ہے ساقی

صداقت آج بھی پوشیدہ ہے اولادِ آدم سے — دروغِ مصلحت آمیز اب بھی عام ہے ساقی

ادھر یہ قول، ہم نے شرح کر دی ہے حقائق کی — ادھر اب تک وہی ابہام کا ابہام ہے ساقی

ادھر تکمیلِ دیں کا ہو چکا ہے دعویٰ محکم — ادھر ایماں تھا جیسا خام اب تک خام ہے ساقی

ادھر شدت کے ساتھ اعلانِ "اتمامِ نعمت" کا
ادھر ہر سانس اب تک زہر کا اک جام ہے ساقی

کہا جاتا ہے مجھ سے زندگی انعامِ قدرت ہے
سزا کیا ہوگی اس کی جس کا یہ انعام ہے ساقی

شکایت کیا کسی خوں ریز چنگیز و ہلاکو کی
جو اپنا دل ہی جب خود ریزۂ خوں آشام ہے ساقی

عمل کا رشتہ ہے جب دستِ ماحول و وراثت میں
تو پھر کیوں آدمیت موردِ الزام ہے ساقی

جسے کہتے ہیں عرفِ عام میں تخلیقِ انسانی
یہ کس آغاز کی سعیٔ زبوں انجام ہے ساقی

وہاں بخشا گیا ہے میرے دل کو ذوقِ آزادی
یہاں موجِ ہوا تک مرغِ زیرِ دام ہے ساقی

تبسم اک بڑی دولت ہے جس کا میں بھی قائل ہوں
مگر یہ آنسوؤں کا ایک شیریں نام ہے ساقی

جسے اربابِ مذہب مادۂ توحید کہتے ہیں
وہ آبِ صاف بھی افسردۂ اصنام ہے ساقی

حروفِ گریہ ہی حائل نہیں غم ہائے پنہاں کا
یہاں تو ساز کے پردے میں بھی کہرام ہے ساقی

لڑکپن ضد میں روتا تھا، جوانی دل کو روتی ہے
نہ جب آرام تھا ساقی، نہ اب آرام ہے ساقی

تمنائیں جگاتی ہیں تو ناکامی سلاتی ہے
نہ ایسی صبح ہے ساقی نہ ایسی شام ہے ساقی

بڑی دریا دلی کے ساتھ ہر خوں ریز طاقت کو
مشیت کی طرف سے اذنِ قتلِ عام ہے ساقی

یہ کس کی مہرِ ہیبت ثبت ہے گیتی کے سینے پر
کہ ہر ذرہ ازل سے لرزہ بر اندام ہے ساقی

ادب کر اس خراباتی کا جس کو جوش کہتے ہیں
کہ یہ اپنی صدی کا حافظ و خیام ہے ساقی



فاختہ کی آواز

آج تو فاختہ کی نرم آواز ہے کچھ اس طرح غرقِ سوز و گداز

جیسے پیری میں یادِ طفلی آئے جیسے جل جل کے شمع بجھ بجھ جائے

جیسے یعقوب غرق سسکیوں میں جیسے سیتا کی جستجوں میں

تب کو جس طرح دل میں درد اٹھے بیوگی نو عروس کی جیسے

شام کو زیرِ سایۂ کہسار جیسے وادی میں دھیمی دھیمی پھوار

جیسے جو بر نہ آئی ہو وہ مراد جیسے بچھڑے ہوؤں کی دل میں یاد

جیسے اشکوں کی لہر سینے میں پانی آنے لگے پسینے میں

جیسے سسرال میں کوئی لڑکی دیکھ کر بدلیوں کو ساون کی

صبح پنگھٹ کی یم کے پیچھے مائیکے کی گھٹائیں یاد کرے

کہستانِ دکن کی عورتیں

یہ ابلتی عورتیں، اس چلچلاتی دھوپ میں
سنگ اسود کی چٹانیں، آدمی کے روپ میں

واہ کیا کہنا ترا، اے حُسنِ ارضِ آفتاب
یہ رتنہ رنگ، یہ تپتے ہوئے رنگیں شباب

ہر سراپا، بت تراشوں کی عرق ریزی کا پھل
اتنی بے پایاں صلابت پر بھی ہر نقشہ سجل

چال جیسے تند چیتے، تیوریاں جیسے غزال
عارضوں میں جامنوں کا رنگ، آنکھیں بیمثال

عورتیں ہیں، یا کہیں برسات کی راتوں کے خواب
پھٹ پڑا ہے جس پہ طوفاں جیسے پتھریلا شباب

یہ جواں چہرے یہ چہروں میں ہے رعنائی کا جوش
تو کہے آہن میں کھودے ہیں کسی نے چشم و گوش

جسم ہیں کچھ اس قدر ٹھوس، الحفیظ والاماں
لیجیے چٹکی تو چھل جائیں خود اپنی انگلیاں

مچھلیاں شانوں کی ابھری سی مٹی سی کاکلیں
آہنی فولاد کے پٹھے، سلاخوں کی رگیں

دید کے قابل ہے ان کا فربہوں کا رنگ روپ
کھپ چکی ہے جس میں مارتی، ڈس چکی ہے جسکو دھوپ

ان بناتِ کوہ کی کڑیل جوانی، الاماں
پتھروں کا دودھ پی پی کر ہوئی ہیں جو جواں

کنکروں کے فرش پر دنیا سلاتی ہے جنہیں
آندھیوں کے پالنے میں نیند آتی ہے جنہیں

کیا حرکتے دلوں کی جو تستی پامالی ہوئی
ان اداؤں سے کہ طوفانوں کی ہیں پامالی ہوئی

—— ⁖ ——

فتنۂ خانقاہ

اک دن جو بہرِ فاتحہ اک بنتِ مہر و ماہ پہنچی نظر جھکائے ہوئے سوئے خانقاہ

زہاد نے اٹھائی جھجکتے ہوئے نگاہ ہونٹوں پہ دب کے ٹوٹ گئی ضربِ لا الٰہ

برپا ضمیرِ زہد میں کہرام ہو گیا

ایماں دلوں میں لرزہ براندام ہو گیا

یوں آئی ہر نگاہ سے آوازِ الاماں جیسے کوئی پہاڑ پہ آندھی میں دے اذاں

دھڑکے وہ دل کہ روح سے اٹھنے لگا دھواں ہلنے لگیں شیوخ کے سینوں پہ داڑھیاں

پرتو فگن جو جلوۂ جانانہ ہو گیا

ہر مرغِ خلد حسن کا پروانہ ہو گیا

اس آفتِ زمانہ کی سرشاریاں نہ پوچھ نکھرے ہوئے شباب کی بیداریاں نہ پوچھ

رخ پر ہوائے شام کی گلباریاں نہ پوچھ کاکل کی ہر قدم پہ فسوں کاریاں نہ پوچھ

عالم تھا وہ حرم میں اس گلعذار کا

گویا نزول رحمتِ پروردگار کا

گردن کے لوچ میں خمِ چوگاں لیے ہوئے　　چوگاں کے خم میں گوئے دلِ دو جہاں لیے ہوئے
رخ پر لٹوں کا ابرِ پریشاں لیے ہوئے　　کافر گھٹا کی چھاؤں میں قرآں لیے ہوئے
آہستہ چل رہی تھی عقیدت کی راہ سے
یا لو نکل رہی تھی دلِ خانقاہ سے

آنکھوں میں آگ عشوۂ آہن گداز کی　　لہریں ہر ایک سانس میں سیلابِ ناز کی
بلٹیں ہوا کے دوش پہ زلفِ دراز کی　　آئینے میں دمک رخِ آئینہ ساز کی
آغوشِ مہر و ماہ کی گویا پلی ہوئی
سانچے میں آدمی کے گلابی ڈھلی ہوئی

ساون کا ابر، کاکلِ شبگوں کے دام میں　　موجیں شرابِ سرخ کی آنکھوں کے جام میں
رنگِ طلوعِ صبح رخِ لالہ فام میں　　چلتا ہوا شباب کا جادو خرام میں
انساں تو کیا یہ بات پری کو ملی نہیں
ایسی تو چال کبکِ دری کو ملی نہیں

ڈوبی ہوئی تھی حسرتِ مژگاں شراب میں　　یا دل دھڑک رہا تھا محبت کا خواب میں
چہرے پہ تھا عرق کہ نمی تھی گلاب میں　　یا اوس موتیے پہ شبِ ماہتاب میں
آنکھیں یہ کہہ رہی تھیں یہ موجیں خمار کی
یوں بھیگتی ہیں چاندنی راتیں بہار کی

ہات اس نے فاتحہ کو اٹھائے جو ناز سے — آنچل ڈھلک کے رہ گیا زلفِ دراز سے
جادو ٹپک پڑا نگہہ دل نواز سے — دل ہل گئے جمال کی شانِ نیاز سے
پڑھتے ہی فاتحہ جو وہ اک سمت پھر گئی
اک پیر کے تو ہاتھ سے تسبیح گر گئی

فارغ ہوئی دعا سے جو وہ مشعلِ حرم — کانپا لبوں پہ سازِ عقیدت کا زیر و بم
ہونے لگی روانہ بہ اندازِ موجِ یم — انگڑائی آ چلی تو بہکنے لگے قدم
انگڑائی فرطِ شرم سے یوں ٹوٹنے لگی
گویا صنم کدے میں کرن پھوٹنے لگی

ہر چہرہ چیخ اٹھا کہ ترے ساتھ جائیں گے — اے حسن تیری راہ میں دھونی رمائیں گے
اب اس جگہ سے اپنا مصلّےٰ اٹھائیں گے — قرباں گاہ کفر پہ ایماں چڑھائیں گے
کھاتے رہے فریب بہت خانقاہ میں
اب سجدہ ریز ہوں گے تری بارگاہ میں

سورج کی طرح زہد کا ڈھلنے لگا غرور — پہلوئے ساحری میں مچلنے لگا غرور
رہ رہ کے کروٹیں سی بدلنے لگا غرور — رخ کی جواں لَو سے پگھلنے لگا غرور
ایماں کی شان عشق کے سانچے میں ڈھل گئی
زنجیرِ زہد سرخ ہوئی اور گل گئی

پل بھر میں زلفِ لیلیٰ تمکیں بگڑ گئی   دم بھر میں پارسائی کی بستی اجڑ گئی
حسن نے نظر اٹھائی، نظر رح یہ گڑ گئی   گویا ہر اک نگاہ میں زنجیر پڑ گئی

طوفانِ آب ورنگ میں رہا دکھو گئے
سارے کبوترانِ حرم ذبح ہو گئے

زاہد حدودِ عشقِ خدا سے نکل گئے   انساں کا حال جو دیکھا پھسل گئے
ٹھنڈے تھے لاکھ حسن کی گرمی سے حل گئے   کرنیں پڑیں تو برف کے تودے پگھل گئے

القصہ دیں، کفر کا دیوانہ ہو گیا
کعبہ ذرا سی دیر میں بت خانہ ہو گیا



تین فریادیں

(۱) فریادِ اماں

تشنۂ خوں ہے پھر آئینِ جہاں اے ساقی
پھر صراحی سے انڈیل آبِ مغاں اے ساقی

ہاں اٹھا جام کہ پھر "فضلِ خداوندی" سے
دہر ہے کارگہِ فتنہ گراں اے ساقی

للہ الحمد کہ پھر جوشِ محبت کے عوض
آتشِ بغض ہے رگ رگ میں رواں اے ساقی

کھول میخانہ کہ انساں کی "حرام بخشی" سے
بند ہے قفلِ درِ امن و اماں اے ساقی

ہے میخانۂ افلاس کی جانب ـــــ للہ
پھیر دے کعبہ و کاشی کی عناں اے ساقی

غرق کر دے مئے گلرنگ میں سیلوں کا غبار
ہر نظر ہے تری جانب نگراں اے ساقی

(۲) فریادِ زباں

جس کو انساں تو کیا دیو بھی مشکل سمجھیں
زیرِ مشق اب ہے وہ اندازِ بیاں اے ساقی

جس کو سنتے ہیں تو کانوں سے ٹپکتا ہے لہو
اب ان الفاظ کے خنجر ہیں رواں اے ساقی

کرکراہٹ ہے جو فقروں میں تو آزار میں پھانس
اب وہ لہجوں کا سبک لوچ کہاں اے ساقی

جس کے ہر لفظ میں سو پھول مہک اٹھتے ہیں
کاٹ دی جائے گی شاید وہ زباں اے ساقی

ٹھیکرے بیچنے والوں کے پرانے گاہک
بند کرتے ہیں جواہر کی دکاں اے ساقی

(۳) فریادِ زنداں

برہمن شور کرے، شیخ دمادم چیخے — اور مستوں پہ ہو شورش کا گماں اے ساقی

تشنہ کاموں کو کرے غرقِ بلا موجِ سراب — اور جگر میں پڑے آب رواں اے ساقی

تیر برسائیں دلِ حلق پہ ناقوس و اذاں — اور کڑکے سرِ قلقل پہ کماں اے ساقی

پنڈت و پیر کریں جنگ و جدل کی تلقیں — اور معتوب ہوں رندانِ جہاں اے ساقی

کیا عجب ہے کہ ملیں اہل ہوا کو پر و بال — اور گرفتار ہوں اصحابِ مغاں اے ساقی

کیا قیامت ہے کہ ہو کوتر و گلگا میں فساد — تیغ ہو گردنِ صہبا پہ رواں اے ساقی

ہاں جلا شمع کہ اس خیمۂ زنگاری میں — پھر ہے گو نجا ہوا قرنوں کا دھواں اے ساقی

دیر ہے شعلہ فشاں اور حرم صاعقہ بار — پر تو اب یہاں ہے نہ وہاں اے ساقی

سانس روکے ہوئے بیٹھا ہے سیہ جالے میں — تو تو بس سا نغمہ زن و زمزمہ خواں اے ساقی



السّلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السّلام

بر شہادت مہاتما گاندھی

اے زمیں کی جیب کے آئینۂ الماس بار — اے فلک کی بزم کے مہرِ درخشانِ بہار
اے وطن کی سرزمیں کے آسمانِ ذی وقار — اے زمانے کے صدف کے گوہرِ انجم شکار

اے صفا کی موج کے لعلِ درخشاں السلام

السلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السلام

اے امیرِ کاروانِ یکّہ تازانِ وطن — اے فقیرِ تاجدارِ تاجدارانِ وطن
اے امید و ہمتِ ناکام گارانِ وطن — اے ہلاکِ عشوۂ رنگیں یارانِ وطن

اے شکارِ کجروان و کور مغزاں السلام

السلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السلام

حیف اے جانِ کرم، نخچیرِ پیکانِ ستم — حیف اے صیادِ عشاقِ مسرت، امیدِ غم
حیف اے دودِ چراغِ کشتۂ طاقِ حرم — حیف اے خاکسترِ پروانۂ بیت الصنم

اے شہیدِ اتحادِ نوعِ انساں السلام

ہند کے شاہِ شہیداں السلام

دہر پر تیری شہادت نے یہ ثابت کر دیا عدے بڑھ کر سکے ہونا کس قدر ہے ناروا
حرفِ حق ہے اہلِ باطل کے لیے طبلِ وغا سخت ہوتی ہے گناہِ بے گناہی کی سزا

السلام اے کشتۂ خیرِ فراواں السلام

السلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السلام

قانوں میں قتلِ انسانی پہ رونا جرم ہے تخمِ نیکی سرزمینِ دل میں بونا جرم ہے
عدۂ مدمت سے راتوں کو نہ سونا جرم ہے مجرموں کے درمیاں معصوم ہونا جرم ہے

السلام اے پائمالِ ذوقِ عصیاں السلام

السلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السلام

دردِ احساسِ یتیمی سے ہر اک دل ہے اداس جادۂ روشن پریشاں، روئے منزل آج اداس
کون یہ مقتولِ اعظم ہے کہ قاتل ہے اداس صدرِ محفل اٹھ گیا، محفل کی محفل ہے اداس

اے ابو الہند اے خدیوِ کشورِ جاں السلام

السلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السلام

تو انوکھا چارہ فرما، طرفہ ترِ دم ساز تھا تیری پلکوں کے جھپکنے کا عجب انداز تھا
ہر جھپک میں خوش دلی کا سازِ بے آواز تھا روح پر تیری عیاں مہر و وفا کا راز تھا

مسندِ حسنِ عمل کے اے غزلخواں السلام

السلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السلام

السلام اے سینۂ اقوام کے دردِ نہاں — السلام اے مرہمِ زخمِ دلِ ہندوستاں
السلام اے دستگیر و چارہ سازِ بیکساں — السلام اے آہِ سردِ تیرہ بختانِ جہاں
السلام اے اشکِ گرم سینہ چاکاں السلام
السلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السلام

تیرے ہر آغاز میں رعنائی انجام تھی — تیرے میداں میں سیاست مرغِ زیرِ دام تھی
تیرے دستِ آگہی میں نبضِ خاص و عام تھی — سطوتِ افرنگ تجھ سے لرزہ براندام تھی
اے گدائے خانہ براندازِ شاہاں السلام
السلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السلام

اے مریضوں کے طبیب، اے خستہ حالوں کے کفیل — اے بہ جلوت موجِ زمزم، اے بہ خلوت رودِ نیل
آتشِ نمرودِ عصرِ نو کے بے پروا خلیل — حریت کے درسِ اعظم، حق کے پیغامِ جلیل
آشتی کے حکم، دل داری کے فرماں السلام
السلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السلام

تو امینِ مرحمت، آئینۂ ایثار تھا — صحتِ افکارِ انساں کے لیے بیمار تھا
برہمن کا چارہ فرما، شیخ کا غمخوار تھا — تو رواداری کا دیوتا، امن کا اوتار تھا
السلام اے کعبہ و کاشی کے درماں السلام
السلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السلام

اے گلِ افسردۂ بستانِ حق و راستی　　اے سرودِ رفتۂ بزمِ نشاطِ زندگی

اے شبِ مسدودۂ زلفِ درازِ دلبری　　اے چراغِ مردۂ محرابِ امن و آشتی

اے متاعِ گمشدۂ گیتا و قرآں السلام

السلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السلام

السلام اے آسمانِ صدق کے مہرِ مبیں　　السلام اے محفلِ اخلاق کے مسند نشیں

السلام اے فرشِ خاک آلود کے عرشِ بریں　　السلام اے خاتمِ مہر و محبت کے نگیں

السلام اے عصرِ حاضر کے سلیماں السلام

السلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السلام

جادۂ حق پر درخشاں ہیں ترے نقشِ قدم　　پرفشاں ہے آسمانِ عدل پر تیرا علَم

اے حسین اس عصر کے پیروِ قدسی حشم　　اے یزیدِ عصرِ نو کے کشتۂ ذوقِ ستم

اے صلیب و دار کے عیسیِ دوراں السلام

السلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السلام

تیرے ظلِ جنگ میں بھی سازِ موجِ گنگ تھا　　تیرے تیشے کے مقابل زرد روئے سنگ تھا

خوں کی آلودگی سے پاک تیرا رنگ تھا　　اسلحہ سے بے خبر تیرا مذاقِ جنگ تھا

السلام اے فاتحِ بے تیغ و پیکاں السلام

السلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السلام

محرم کے افق کی رنگ پرور صبح عید   اے محلِ یاس و نومیدی کی گل بانگِ امید
ے ثنا خوانِ حسین و دشمن شمر و یزید   اے رذیلوں کی رذالت کے لیے ضربِ شدید
اے شریفوں کی شرافت کے نگہباں السلام
السلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السلام

اے حلیفِ دوستی، اے دشمنِ بغض و عناد   اے وفا کی آرزو، اے قلبِ رحمت کی مراد
اے رسولِ عافیت، اے کشتۂ دیوِ فساد   ر توحیف اے سعیٔ نامشکور امن و اتحاد
اے پریدہ ولولے، اے مردہ ارماں السلام
السلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السلام

تو ہی اک دانائے کامل بزمِ نادانی میں تھا   روشنی کا تو منارہ بحرِ طغیانی میں تھا
تیرے دم سے زمزمہ گنگا کی جولانی میں تھا   نغمہ تجھ سے کوثر و تسنیم کے پانی میں تھا
اے غرورِ ہند و فخرِ مسلماں السلام
السلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السلام

ا ،   پژمردہ مائے ،   اے حمائے سنگ سے لت شکستہ جام زر نگار
یار ا   اے حراں کی دھوپ میں سوئے ہوئے پیکِ بہار

اے

ذقرے تیرے رستا تھا جلالِ قیصری حیف لے لیلائے حریت کے قیس عامری
ہر تری موجِ نفس تھی اک سرودِ رہبری تیرے سینے میں دھڑکتا تھا دلِ پیغمبری

اے نوائے انبیائے پاک داماں السلام

السلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السلام

اے مرے عشرت مدیدہ رہبرِ عسرت مآل اے مرے گردن بریدہ عزم اتمام وکمال
اے مرے حیراں دریدہ یوسف قدسی جمال اے مرے مرصر رسیدہ بوستانِ حال وقال

اے مرے چادر گزیدہ شنمستاں السلام

السلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السلام

حس سے تو لے طلبِ شیریں زباں خاموش ہے مہر رلب گلستاں ہے، باغباں خاموش ہے
بولے گل آزردہ ہے، جوئے رواں خاموش ہے گلشنِ دیرینۂ ہندوستاں خاموش ہے

السلام اے ساکنِ شہرِ خموشاں السلام

السلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السلام

اہل کیف دعا حسانِ ہوش کے آرامِ جاں جملہ مردانِ اخوت کوش کے آرام جاں
ہر دلِ پرشور وخاموش کے آرامِ جاں قبلۂ رندانِ عالم جوش کے آرام جاں

اے شب وتابِ امام بادہ نوشاں السلام

السلام اے ہند کے شاہِ شہیداں السلام

نمودِ افکار



نقّاد

رحم اے نقادِ فن! یہ کیا ستم کرتا ہے تو
کوئی نوکِ خار سے چھوتا ہے نبضِ رنگ و بو

شاعری اور منطقی بحثیں، یہ کیسا قتلِ عام
زخمِ مقراض کا دیتا ہے کلیوں کو پیام

کیوں اٹھا ہے جنسِ شاعر کے پرکھنے کے لیے؟
کیا نسیمِ سنبل و نسریں ہے چکھنے کے لیے؟

اے ادب نا آشنا! یہ بھی نہیں تجھ کو خیال
ننگ ہے بزمِ سخن میں مدرسے کی قیل و قال

منطقی کانٹے پہ رکھتا ہے کلامِ دل پذیر
کاش اس نکتہ کو سمجھے تیری طبعِ حرف گیر

یعنی اک لے سے لبِ نا قدر کو کھلنا چاہیے
پنکھڑی پر قطرۂ شبنم کو تُلنا چاہیے

شعر فہمی کے لیے ہیں جو شرائط اے بشر
سوچ تو پورا اترتا بھی ہے اس معیار پر؟

جلتے دیکھا ہے کبھی ہستی کے دل کا تپتے داغ؟
آنچ سے جس کی جلا پاتا ہے شاعر کا دماغ،

دل سے اپنے پوچھ اور ردائے علمِ کتاب
حُسنِ قدرت کو کبھی دیکھا ہے برانگندہ نقاب،

تو پتہ اسرارِ ہستی کا لگاتا ہے کبھی؟
عالمِ محسوس سے باہر بھی جاتا ہے کبھی،

کیا وہاں بھی اڑ کے پہنچا ہے کبھی اے نکتہ چیں؟
گا رہا ہے جس فضا میں شہپرِ روح الامیں

خامشی کی نغمہ ریزی پر بھی سر دھنتا ہے تو
قلبِ فطرت کے دھڑکنے کی صدا سنتا ہے تو

اُن ستوں کی بزم میں تو بھی ہوا ہے باریاب
خاک کو پہنائیاں جس کی ساقی ہیں گلاب

جو ستم چھپیں لیتے ہیں شبِ مہتاب سے ۔۔۔ حسن کی رعنائی جگاتی ہے دلوں کو خواب سے

سچ بتا تو بھی ہے کیا اے کشتۂ صد حرفِ آر ۔۔۔ رازدانِ کاکلِ شب رنگ و چشمِ نیم مار

تیری نبضوں میں بھی مچلی ہے کبھی بجلی کی رَو ۔۔۔ سوزِ غم سے تیرا دل بھی کیا کبھی دیتا ہے لَو

سچ بتا اے عاشقِ دیرینۂ فکرِ معاش ۔۔۔ زہر میں تریاق کے عنصر کی بھی کی ہے تلاش ؟

مجھ سے آنکھیں تو ملا اے دشمنِ سوز و گداز ۔۔۔ تجھ پہ کیا اضداد کی توحید کا افشا ہے راز ؟

تیری راتوں کی سیاہی میں کبھی اے ظلمت مآب ۔۔۔ کیا کبھی طالع ہوا ہے مسکرا کر آفتاب ؟

تو گیا بھی ہے نگارِ غم کی محمل کے قریب ؟ ۔۔۔ آنچ سی محسوس ہوتی ہے کبھی دل کے قریب ؟

طورِ معنی پر کبھی اے نافہم چڑھ سکتا ہے تو ؟ ۔۔۔ کیا مصنف کی کتابِ دل کبھی پڑھ سکتا ہے تو ؟

یہ نہیں تو پھیر لے آنکھیں یہ جلوہ اور ہے ۔۔۔ تیری دنیا اور ہے، شاعر کی دنیا اور ہے

شعر کی تحلیل سے پہلے مری تقریر سن ۔۔۔ خود زباں شعر سے آ شعر کی تفسیر سن

دل میں جب اشعار کی ہوتی ہے بارش بے شمار ۔۔۔ نطق پر بوندیں ٹپک پڑتی ہیں کچھ بے اختیار

ڈھال لیتی ہے جنہیں شاعر کی ترکیبِ ادب ۔۔۔ ڈھل کے گو وہ گوہرِ غلطاں کو پاتی ہیں تب

اور ہوتی ہیں تجلی کش شاخِ زر فشاں ۔۔۔ پھر بھی وہ شاعر کی اشکوں میں ہیں پنہاں بیاں

حسن کے اسرار درخشاں روح کی محفل میں ہیں ۔۔۔ بیکراں ہیں نطق کی وسعت پہ جو نازاں ہیں

شاعری کو جاناں ہے نطق کو لوٹتا ہوا ۔۔۔ اس کو تیشہ ہے ۔۔۔ کہ نفیس تر ٹوٹا ہوا

چھائے رہتے ہیں جو شاعر کے دل سرشار پر ۔۔۔ ٹوٹ کر آتے ہیں وہ نقشے لبِ گفتار پر

جاگتے رہتے ہیں دل کی محفلِ خاموش میں
بند کر لیتے ہیں آنکھیں نطق کے آغوش میں

لوگ جن کی جاگداری سے ہیں دل بگڑے ہوئے
کھوکھلے نغمے ہیں وہ اور ان میں جکڑے ہوئے

شعر ہو جاتا ہے صرف اک جنبشِ لب سے ڈھال
سانس کی گرمی سے اس شیشے میں پڑ جاتا ہے بال

جام میں آتے ہی اڑ جاتی ہے شاعر کی شراب
ٹوٹ جاتا ہے کنارے آتے آتے یہ حباب

اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے حیرت کی بات
"شعر" کو سمجھا اگر شاعر کی تولے کا ثبات

"شعر" کیا جذبِ دروں کا ایک نقشِ ناتمام
"مشتبہ سا اک اشارہ" ایک مبہم سا کلام

کیف میں اک لغزشِ پا کلکِ گوہر بار کی
اضطراری ایک جنبش سی لبِ گفتار کی

ایک صوتِ خستہ و موہوم، سازِ ذوق کی
مرتعش سی ایک آواز انتہائے شوق کی

بے حقیقت نے کے اندر "زمزمہ داؤد" کا
"عارضِ محدود" پر اک عکس "لامحدود" کا

"شعر" کیا، عقل و جنوں کی مشترک رمِ حال
شعر کیا ہے، عشق و حکمت کا مقامِ اتصال

ظلمتِ ابہام میں پرچھائیں تفصیلات کی
پیچ و خم کھاتے بگولے میں جھلک ذرات کی

جوئے قدرت کی روانی دستِ مصنوعات میں
ٹمٹما رنگیں ستارہ کا اندھیری رات میں

"شعر" کیا، کچھ سوچنا دل میں بہ لحنِ دلنشیں
"شعر" کیا، ہر چیز کہہ کر کچھ نہ کہنے کا یقیں

"شعر" کیا ہے، نیم بیداری میں بہنا موج کا
برگِ گل پر صبح میں شبنم کے گرنے کی صدا

"ترزبانی اور خاموشی کی مبہم گفتگو
لفظ و معنیٰ میں ترازو کی بہکتی آرزو

بادلوں سے ماہِ نو کی اک اچٹتی سی ضیا
جھانکنا قطرہ کے روزن سے عروسِ بحر کا

مر کے بھی تو شاعری کا بھید پا سکتا نہیں — عقل میں یہ مسئلہ نازک ہے آ سکتا نہیں

تو سمجھتا تھا، جو کہنا چاہیے تھا، کہہ گیا — پوچھ شاعر سے کہ وہ کیا کہہ سکا، کیا رہ گیا

کون سمجھے "شعر" یہ کیسے ہیں اور کیسے نہیں — دل سمجھتا ہے کہ جیسے دل میں تھے، ویسے ہیں



ظُلمتیں

تیرگی لپٹی ہوئی ہے دہر میں ہر ضو کے ساتھ — عربدہ کرتا ہے یاں ہر راستہ رہرو کے ساتھ

لعلِ شیریں کے تبسم میں ہے غلطاں آہِ سرد — ظلمتوں کی رو بھی ہے قندیلِ زر کی لو کے ساتھ

ہر نفس امّا ایں ہمہ برنائی و افسوں گری — پیری کا دبدبہ بھی ہے عروسِ نو کے ساتھ

اس قدر بھی نارسا مانا ہے کوئی اے حسیں — دھوپ بھی ہے ابرِ رنگا رنگ کے پرتو کے ساتھ

حُسنِ شیریں و غرورِ تاج کے ہوتے ہوئے — تیشۂ فرہاد کا دھڑکا بھی ہے خسرو کے ساتھ

انجمن میں رات کو چپکے سے پا جاتا ہے بار — فتنۂ ظلمت نشاں بھی روشنی کی رو کے ساتھ

ڈوب جاتا ہے تڑپ کر سینۂ دریا میں قوس — سوز و پیچ و تاب بھی تنویرِ ماہِ نو کے ساتھ



ہم لوگ

خزاں کے جور سے ہر چند خوار ہیں ہم لوگ
مگر امانتِ فصلِ بہار ہیں ہم لوگ

ہر ایک سانس ہے گو صد ہزار حشر بدوش
مگر پیامِ ثبات و قرار ہیں ہم لوگ

ملال چھو نہیں سکتا ہے یادِ یاراں کا
وہ دستِ غیب کے نقش و نگار ہیں ہم لوگ

زمیں سے کرتے ہیں پیار اور آسماں سے غرور
وہ کر دوست کے آئینہ دار ہیں ہم لوگ

عیاں ہیں جن پہ تہی دستیاں سلاطیں کی
لباسِ فقر میں وہ شہریار ہیں ہم لوگ

جہاں میں ہیں مگر اہلِ جہاں سے کام نہیں
وطن میں رہ کے غریب الدیار ہیں ہم لوگ

کسی مقام پہ حاصل نہیں قرار ہمیں
مثالِ جوئے رواں بے قرار ہیں ہم لوگ

ہواؤں کو ہمیں سے ملی ہے نکہتِ یار
وہ رازِ طرۂ زلفِ نگار ہیں ہم لوگ

فشردۂ جمِ ہستی سے کھینچتے ہیں شراب
بساطِ عیش پہ وہ بادہ خوار ہیں ہم لوگ

ہمیں میں سنتے ہیں ہر صبح نغمۂ الہام
امینِ زمزمۂ شاخسار ہیں ہم لوگ

جگر ہے وقت کا اپنے حساب میں صد چاک
وہ فاتحِ غمِ لیل و نہار ہیں ہم لوگ

حیات و موت کی پست و بلند راہوں میں
خرامِ ابر سرِ کوہسار ہیں ہم لوگ

ہیں سنتے ہیں آہٹ کسی کے قدموں کی
نہ پوچھیے کیوں ہمہ تن انتظار ہیں ہم لوگ

وہ جبر دوست جسے "اختیار" کہتے ہیں — اس اختیار سے بے اختیار ہیں ہم لوگ

محیط سکۂ مغلوب کے تلاطم میں — سفینۂ زر کامل عیار ہیں ہم لوگ

حیات کی ابدی رات کے اندھیرے میں — چراغِ عابد شب زندہ دار ہیں ہم لوگ

لکھے پڑے ہیں زمانہ کے ہاتھ سے ہر چند — مگر ضمیر ورق دسرار ہیں ہم لوگ

ادب سے آؤ ہمارے حضور اہلِ نظر — جہانِ حسن کے پروردگار ہیں ہم لوگ

نگاہ رو رہ رو، اے روحِ نعمتِ داریں — نہ ہوش یاش کہ یزداں شکار ہیں ہم لوگ

بس اس خطا پہ کہ ہیں محرم رموزِ حیات — شکارِ کشمکش روزگار ہیں ہم لوگ



پیمبرانہ بد دعا

جو بن پڑے گا تو سب سے بڑی سزا دوں گا
زمانہ ساز! تجھے میں یہ بد دعا دوں گا

ملے نہ آتش دوزخ کی تجھ کو نرم سزا
ملے وہ سوز جو ہوتا ہے شاعروں کو عطا

رموزِ دہر سے بڑھ جائے رسم و راہ تری
جبین زیست پہ پڑنے لگے نگاہ تری

تجھے حقائقِ ہستی کا کھوج آ جائے
کلی کو خار کے کانٹے پہ ترس آجائے

عدو پہ بھی تری فطرت شفیق ہو جائے
ترے خمیر کا لوہا رقیق ہو جائے

دماغ سرحدِ قدرت سے متصل ہو جائے
ہر ایک ذرۂ ناچیز جزوِ دل ہو جائے

وہ طبع سخت میں پیدا ہو انقلاب عظیم
کہ تیرے قلب میں چبھنے لگے گلوں کی شمیم

ترے دیار میں طوفانِ آرزو آ جائے
ترا ضمیر، محبت کے روبرو آ جائے

نہ بہرہ ور ہو کبھی مرگِ ناگہانی سے
خدا دوچار کرے طولِ زندگانی سے

درِ حیات! تری چشمِ دل پہ وا ہو جائے
نظر مآلِ تبسم سے آشنا ہو جائے

ملائے قہرِ خدا تجھ کو دیدہ ور کر دے
لطیف کر کے حسوں کو لطیف تر کر دے



انگیٹھی

بچپن کی اے اداس انگیٹھی! خدا گواہ — کیا کہیے تجھ پر آج پڑی کس طرح نگاہ
تو اور خاک سرد پہ یوں مثل سوگوار — افسوس اے زمانۂ طفلی کی یادگار
میری ہی طرح کیا ترا پہلو بھی سرد ہے؟ — کیا تیرے آئینے پہ بھی ماضی کی گرد ہے؟
افسوس وہ نشاط کے موسم، وہ زمزمے — جاڑوں کی دلفریب وہ راتیں، وہ چہچہے
شعلوں سے تیرے ہائے وہ اٹھتا ہوا دھواں — وہ قہقہوں کی گونج وہ تیری پہیلیاں
خوشبو وہ تیری آنچ کی جاں بخش و دلنواز — وہ تیرگی میں رنگ ترا، دل میں جیسے راز
شعلے وہ سرخ سرخ دلوں میں تُلے ہوئے — وہ سرخیوں میں نرم تبسم گھلے ہوئے
شعلوں کے بار بار وہ انداز دل نشیں — دم بھر میں زر نگار تو دم بھر میں سرمگیں
ڈوبی ہوئی حیات میں وہ تیری گرمیاں — وہ گرمیوں میں لطف کے قصوں کی نرمیاں
وہ سادگی کی نرم میں بجتے ہوئے ستار — کلیوں کا کوئلوں کی چٹکنا وہ بار بار
وہ غنچگی کا عہد، وہ گلباریاں تری — اڑتی ہوئی ہوا میں وہ چنگاریاں تری
وہ نرم نرم جسم، وہ تیری حرارتیں — وہ دمہ داریوں سے معرّا شرارتیں

وہ چھوکرے اڈیسے دروں میں کھڑے ہوئے
دایاؤں کے سروں پہ وہ آنچل پڑے ہوئے

ماماؤں کی صفوں میں وہ معلانیوں کی شاں
رکھا ہوا وہ تخت پہ چاندی کا پاندان

وہ تیرے گرد بیبیاں، بصد شانِ افتخار
آواز پاندان کے کھلنے کی بار بار

شایانِ آفریں وہ خواتین کا شعار
شوخی کے رنگ میں بھی وہ اک نوع کا وقار

وہ ہیکلیں گلوں میں، لبوں پر وہ لالیاں
ہلتی ہوئی وہ کانوں میں سونے کی بالیاں

وہ لونڈیوں کے رخ پہ نشاں خاک دھول کے
جوڑے وہ اودے اودے وہ موباف تول کے

وہ مزدوروں لحافوں کے اندر گھٹے ہوئے
رعب آفریں دروں میں وہ پردے چھٹے ہوئے

وہ پچھلے بیٹھے سے طبیعت کا انتشار
پہلو رضائیوں میں بدلنا وہ بار بار

ہلکی رضائیوں کی وہ اسارہ ماریاں
اطلس کی سرخ گوٹ پہ وہ سرخ دھاریاں

وہ "ایک بادشاہ" کی بیٹی کا ذکر خیر
وہ ولولے جنوں کے، وہ پریوں کا شوق سیر

وہ مرحمت میں عرق بڑی بوڑھیوں کی ذات
وہ کاٹنا ڈلی کا کہانی کے ساتھ ساتھ

وہ اک عجیب شانِ طرب سے ملی ہوئی
تیری حکایتوں میں سروتوں کی راگنی

کیوں اس کمی یاد ہیں وہ لڑکپن کے زمزمے ؟
اے شمعِ خوابگاہِ فراغت جواب دے -

جس کو کھلا رہی ہیں ہماری جوانیاں
اب اس میں تجھکو یاد ہیں کتنی کہانیاں

فریبِ ہستی

چمن کی خاک نے تا دیر کی عرق ریزی
کہ گھٹ کے آرزوئے تخمِ گل نہ رہنے پائے

مٹا کے نقشِ دوئی صد رنگ و بو کے لیے
نمی خاک سے بن کر زمیں کی تہہ میں کھپائے

کثافتوں میں لطافت کی شمع روشن کی
نمو کی ظلمتِ افسردہ میں چراغ جلائے

گھٹا کی جیب تراشی، فضا پہ ڈالے دام
قدم پہ شمس کے تڑپی، قمر کے ناز اٹھائے

گذشتہ زہرہ جبینوں کے دل شکستہ ذرات
نفس کی لو پہ بڑے اہتمام سے پگھلائے

جمالِ خاک نشیں کو دکھائی راہِ فلک
جمودِ زیرِ زمیں کو تپش کے راز بتائے

تری زمیں سے لی، آسماں سے گرمی
صبا سے عطر نچوڑا، کرن سے رنگ چرائے

بھگو کے رنگ میں ذرات کی بنائیں تہیں
اور ان تہوں میں تکلف کے ساتھ نقش بنائے

گرہ لگائی پھر اک مثلِ نرگسِ مخمور
اور اس طرح کہ ہواؤں کی رو میں کھلتی جائے

اور ان تمام مراحل کے بعد ایک کلی
جمیں غرور ہوئی پتیوں سے منہ کو چھپائے

سحر کے وقت بالآخر کھلی، گلاب بنی
مشامِ جاں کو کیا مست، بوستاں مہکائے

اور اس کے بعد خود دیکھا عروس کے ہنگام
پڑی ہوئی تھی سرِ خاک ناوکِ غم کھائے

یہ کیا نظام ہے معبودِ بزمِ ہستی کا؟
کھلے جو صبح کو، وقتِ غروب کمھلا جائے

وہ چھوکرے ادب سے دروں میں کھڑے ہوئے — دایاؤں کے سروں پہ وہ آنچل پڑے ہوئے

ماماؤں کی صفوں میں وہ معلانیوں کی شان — رکھا ہوا وہ تخت پہ چاندی کا پاندان

وہ تیرے گرد بیٹھیں بصد شانِ افتخار — آواز پاندان کے کھلنے کی بار بار

شایانِ آفریں وہ خواتیں کا شعار — شوخی کے رنگ میں بھی وہ اک نوع کا وقار

وہ ہیکلیں گلوں میں، لبوں پر وہ لالیاں — ہلتی ہوئی وہ کانوں میں سونے کی بالیاں

وہ لونڈیوں کے رخ پہ نشاں خاک دھول کے — جوڑے وہ اونچے اونچے وہ موبان تول کے

وہ مردوے لحافوں کے اندر گھسے ہوئے — رعب آفریں دروں میں وہ پردے چھٹے ہوئے

وہ بیچلے بیٹھے سے طبیعت کا انتشار — پہلو رضائیوں میں بدلنا وہ بار بار

ہلکی رضائیوں کی وہ افسانہ باریاں — اطلس کی سرخ گوٹ پہ وہ سرخ دھاریاں

وہ "ایک بادشاہ" کی بیٹی کا ذکرِ خیر — وہ ولولے حسنوں کے، وہ پریوں کا شوقِ سیر

وہ مرحمت میں غرق بڑی بوڑھیوں کی ذات — وہ کانا ڈلی کا کہانی کے ساتھ ساتھ

وہ اک عجیب شانِ طرب سے ملی ہوئی — شیریں حکایتوں میں سروتوں کی راگنی

کیوں اب بھی یاد ہیں وہ لڑکپن کے زمزمے ؟ — اے شمعِ خواب گاہِ فراغت جواب دے ۔

جس کو بھلا رہی ہیں ہماری جوانیاں — اب اس میں تجھکو یاد ہیں کتنی کہانیاں

۵

ما اِک طرف نشاطِ حیاتِ ہر کا نام

ءرماں روح کی تصویر میں بکھرا ہوا

ں کملائے ہوئے تھے سست تھی موجِ ہوا

ی لاسی گھاس جلتی تھی بیتا در زرد تھی

س طرح شادی کے جیسے صبح کو الٹے ہوے

ا بانسری کی دور سے جس طرح آتی ہے صدا

جیسے گردِ شمع وقتِ صبح پروانوں کی خاک

ایک سناٹا سا چھا جاتا تھا کوہ و دشت پر

دل پہ ہوتا ہے جو طاری ماتمِ پیہم کے بعد

اس طرف دل کوہ و صحرا کا تھا مرجھایا ہوا

ابر کے دو ایک ٹکڑے تھے پریشاں چرخ پر

پانی تھم تھم کر جو بہتا تھا تو سناٹا سا تھا

بڑھ رہی تھی تیرگی رہ رہ کے گھبراتا تھا دل

جو ایک پل میں ہو تعمیرِ ماہ و سال خراب   تو کس امید پہ کوئی فریبِ ہستی کھائے
"بیا کہ قصرِ امل سخت سست بنیاد است   بیار بادہ کہ بنیادِ عمر بر باد است"



روشنیاں

صرف ظلمت ہی نہیں ہے، دیکھ تنویریں بھی ہیں   کاوشِ تخریب کی ہلچل میں تعمیریں بھی ہیں
جس جگہ خورشید کی حدت سے ہے عالم خموش   واں کسی دیوار کے سایہ میں تقریریں بھی ہیں
جس جگہ مایوسیاں ہیں گردشِ تقدیر سے   واں کہیں امید کی پوشیدہ تدبیریں بھی ہیں
جس جگہ ژولیدہ عقدوں سے ہیں عقلیں سرنگوں   واں حیات و مرگ کی نادیدہ تفسیریں بھی ہیں
جس جگہ منڈلا رہے ہیں مبہم و تاریک خواب   واں کسی گوشے میں ان خوابوں کی تعبیریں بھی ہیں
جس جگہ تعزیر کے سایے سے ذوقِ نقش و رنگ   واں کہیں آئینوں میں رنگیں تصویریں بھی ہیں
جس جگہ پانی میں ہے زہرِ ہلاہل کا اثر   واں ہوا میں چشمۂ حیواں کی تاثیریں بھی ہیں
جس جگہ دوڑی ہوئی ہیں سنگِ خارا کی رگیں   واں درخشاں جوہروں کی نرم تحریریں بھی ہیں
ٹوٹتا ہے سلسلہ کب زلفِ عنبر بیز کا   میں نے مانا طوق بھی ہے اجوتش، زنجیریں بھی ہیں



سہاگن بیوہ

ایک تلسی داس گنگا کے کنارے وقتِ شام
جا رہا تھا اِک طرف لتاش جپتا ہر کا نام

چرخ کی نیرنگیوں سے گفتگو کرتا ہوا
رنگِ عرفاں روح کی تصویر میں بھرتا ہوا

جھاڑیاں تھیں سر دریا کے کنارے جا بجا
پھول کملائے ہوئے تھے سست تھی موجِ ہوا

راہ میں جالے لگے تھے پتیوں پر گرد تھی
لاسی لاسی گھاس ملتی تھی پتا در زرد تھی

جمع تھے اس طرح پتے جا بجا سوکھے ہوئے
جس طرح شادی کے خیمے صبح کو اُلٹے ہوئے

جھاڑیوں سے یوں دبے پاؤں گزرتی تھی ہوا
بانسری کی دور سے جس طرح آتی ہے صدا

یوں پڑے تھے زیر شاخِ گل شگوفے چاک چاک
جیسے گردِ شمع وقتِ صبح پروانوں کی خاک

طائرِ درماندہ کوئی بول اُٹھتا تھا اگر
ایک سناٹا سا چھا جاتا تھا کوہ و دشت پر

اور سناٹا وہ جس میں ہو گم آوازِ رعد
دل پہ ہوتا ہے جو طاری ہائے ہیہم کے بعد

اس طرف رنگِ شفق تھا چرخ پر چھایا ہوا
اس طرف دل کوہ و صحرا کا تھا مرجھایا ہوا

جادہ جس پہ تتلیاں ہر سو پڑی تھیں بے خبر
ابر کے دو ایک ٹکڑے تھے پریشاں چرخ پر

شام کا چہرہ غم یہاں سے کچھ اترا سا تھا
پانی تھم تھم کر جو بہتا تھا تو سناٹا سا تھا

خود بخود تاریک ساحل پر بھر آتا تھا دل
بڑھ رہی تھی تیرگی رہ رہ کے گھبراتا تھا دل

کہہ رہا تھا رنگ، غم کا ابر چھا جانے کو ہے / سانحہ کوئی قیامت خیز پیش آنے کو ہے

جاتے جاتے ایک گوشہ کی طرف پہنچی نظر / فرطِ غم سے رہ گیا شاعر کا کلیجہ تھام کر

دیکھتا کیا ہے کہ دریا کی روانی ہے اداس / جل رہا ہے اک جنازہ روشنی ہے آس پاس

کانپ کانپ اٹھتی ہے جنگل کی سیاہی بار بار / اٹھ رہے ہیں لاش سے شعلے، فضا ہے بے قرار

روشنی شعلوں کی اک پیشانیِ زریں پہ ہے / ظلمتِ اندوہ بیوہ کے رخِ غمگیں پہ ہے

ہے رنڈاپا سر پہ شمشیرِ جفا تولے ہوئے / سرنگوں بیٹھی ہے رخ پر کاکلیں کھولے ہوئے

کندنی شعلے ہیں غلطاں جیسے رخسار میں / دل دھڑکنے سے ہے جنبش سی گلے کے ہار میں

اہتمامِ مرگ میں یہ شاعری لبریزِ یاس / ہاتھ میں مہندی رچی ہے، اور ہیں چوتھی کا لباس

آہ یہ عالم، کہ اس تک مست ہے موجِ نسیم / آ رہی ہے جسم سے شادی کے پھولوں کی شمیم

کہہ رہی ہے کیا بتاؤں کیا تمنا دل میں ہے / شمع یہ کس کے جنازے کی مری محفل میں ہے

خاک سے اٹھتی ہے پھر کرتی ہے شعلوں کا طواف / کہتی ہے اے شرم کی دیوی! مجھے کر معاف

مڑ کے پھر میت سے کہتی ہے اجازت دیجیے / اس نواس ایندھن کو بھی جلنے کی رخصت دیجیے

آپ کو موت آ گئی، عالم پریشاں ہو گیا / گھر ابھی بسنے نہ پایا تھا کہ ویراں ہو گیا

یاد ہے، ہاں مجھ کو شادی کا ترنم یاد ہے / ہاں، ابھی ہونٹوں پہ آیا تھا تبسم یاد ہے

آپ کے سینے سے شعلے اٹھ رہے ہیں بار بار / جل رہی ہے یہ مری اجڑی جوانی کی بہار

پوچھیے اس سے کہ دنیا کیا تھی اور کیا ہو گئی / حسن نے گھونگھٹ بھی نہ الٹا تھا کہ بیوہ ہو گئی

پھنک گئیں میری بہاریں جل گیا میرا سنگار
تیری بند آنکھیں ہیں میری زیب و زینت کا مزار

گھر مرے ہمجولیاں مل جل کے گانے آئی تھیں
مالنیں پھولوں کا گہنا کل پہنانے آئی تھیں

آج قرباں گاہ عبرت پر چڑھانے کے لیے
موت آئی ہے مرا زیور بڑھانے کے لیے

زندگی جا دور رہو دنیا ہے آنکھوں میں اجاڑ
موت جلدی کر کہ ٹوٹا ہے رنڈاپے کا پہاڑ

کیوں کھڑی ہے دور یوں ڈالے ہوئے تیوری پہ بل
مجھ کو بھی کھا لے قسم ہے تجھ کو او ڈائن اجل

دیکھتی ہے تو کہ میں ہوں کس قدر جینے سے سیر
اور یہ رد موت! او جی موت کیوں کرتی ہے دیر!

دیکھ میرے رخ پہ اشکوں کی فراوانی کا میل
ہے جبڑوں کو ہلا تاریک غاروں کی چڑیل!

رنگ مانگ رنگ! مجھ بیوہ کو ڈسنے کے لیے
کیا یہاں آئی ہے سر اپنا کھلنے کے لیے

کیوں کھڑی ہے یوں الگ ٹھٹکی ہوئی اے بیچ ہٹا
میری باتوں نے تجھے کیا موت! برہم کر دیا

یہ اگر ہے تو جھکا کر میں ترے قدموں پہ سر
مانگتی ہوں در گزر کی بھیک، مجھ پر رحم کر

اے مبارک موت! اے رازِ کمالِ زندگی
اے جہاں خواب نوتیں! اے مآلِ زندگی

اے پیام روشنی! استرِ لقا! تاجِ حیات
اے نظامِ دہر! اے رفتارِ نبضِ کائنات

یہ ... لی اپنی اوڑھی روشنی،
کے سمت
آ، ادھر آ، شاہزادی عالمِ ارواح کی

اور کہا اے دکھ بھرے سنسار! لے میرا سلام
دیکھتے ہی آ کو، کم سن تو تھی، گھبرا گئی!
لی واں کو پہچان کے

ہوگئی فرطِ حیا سے روحِ عکس بے قرار　　انگلیاں اپنی مروڑیں دیر تک دلدادہ وار

سر جھکا، ماتھے پہ زلف مار لہرانے لگی　　حسن کو آغوشِ غم میں نیند سی آنے لگی

جب ہوئی تو اور دردِ ہجر دونا ہو گیا　　دی صدا دل نے ترا پہلو بھی سونا ہو گیا

یہ صدا سنتے ہی دم الجھا پھر پری آ گئی　　اک گھٹا دل سے اٹھی، ارض و سما پر چھا گئی

رو کے پھر کہنے لگی، ماما دعا دیجے مجھے　　زندگی کے پاپ سے جلدی چھڑا دیجے مجھے

آپ کی داسی پہ اس اس جگ میں رہنا بار ہے　　آگ اس چھاتی میں روشن ہے، چتا تیار ہے

جھونک بھی دیجیے مجھے اس آگ کے انبار میں　　میں اکیلی ہوں کوئی میرا نہیں سنسار میں

داس نے پھر تو قریب آ کر، نرمی یوں کہا　　اے مری ناداں بچی! سوچ تو کہتی ہے کیا

مرنا جینا ایک ہے جن کو ذرا بھی گیان ہے　　وہ اُدھر کا مرتبہ ہے یہ اِدھر کی شان ہے

زندگی ہے نقص سے معمور، اک مہمل سی بات　　موت ہے شیرازۂ قانونِ تکمیلِ حیات

موت یکسو، زندگی مجموعۂ اضداد ہے　　"زندگی" ہے موت کی پابند موت آزاد ہے

زندگی ہے روح کو محدود کر لینے کا نام؛　　موت ہے انساں کے لامحدود ہو جانے کا نام

کہتے ہیں فانی جنہیں ہم وہ فنا ہوتے نہیں　　مرنے والے اصل میں ہم سے جدا ہوتے نہیں

قیدِ ہستی سے کوئی ذرّہ رہا ہوتا نہیں　　ٹوٹ جاتا ہے قفس طائر فنا ہوتا نہیں

عشق کے مالے کا اک موتی بکھر سکتا نہیں　　اتحادِ باطنی مرنے سے مر سکتا نہیں؛

عشق کی تانیں کسی آندھی سے جھک سکتی نہیں　　روح کی سرگوشیاں مرنے سے رک سکتی نہیں

زندگی بے روح آواروں میں دیتی ہے پیام موت سرد الفاظ کو ٹھکرا کے کرتی ہے کلام

زندگی سے تنگ سانچے میں سما جاتا ہے عشق موت سے عالم کی پہنائی پہ چھا جاتا ہے عشق

زندگی کی موج پر گلرنگ ترستا ہے عشق موت کے گرداب میں لعل و گہر بنتا ہے عشق

بادِ طوفانی کے دیوتا پاس آسکتے نہیں اس دیے کو موت کے جھونکے بجھا سکتے نہیں

موت کیا شے ہے کہ توڑے جس کو خود روح الامیں عاشقی کے رشتۂ محکم کو چھو سکتے نہیں

جسم پر بنیادِ عشق خود نما ہوتی نہیں روح اس تبدیلِ ہیئت سے فنا ہوتی نہیں

زندگی دھندلا سا اک جلوہ ہے اور کچھ بھی نہیں موت اک باریک سا پردہ ہے اور کچھ بھی نہیں

غور کر دل میں کہ ہو جائے حقیقت بے نقاب ٹوٹتے دیکھے تو ہوں گے بارہا تو نے حباب

مر کے بھی دریا کے سینے سے کہیں جاتے نہیں رہتے ہیں دریا ہی میں لیکن نظر آتے نہیں

یونہی تیری شمعِ سوزاں بھی تری محفل میں ہے مرنے والا آنکھ سے اوجھل ہے لیکن دل میں ہے

جو چتا میں جل رہا ہے، وہ ترے پہلو میں ہے کانپتے ہونٹوں میں ہے، بہتے ہوئے آنسو میں ہے

یہ کہا شاعر نے اور کچھ دیر آنکھیں بند کیں دیکھتے ہی دیکھتے بیوہ کی آنکھیں کھل گئیں

ہنس کے پھر کہنے لگی، بابا مرا وسواس تھا دور میں جس کو سمجھتی تھی، وہ میرے پاس تھا

یہ کہا اور دفعتاً دل میں چمک پیدا ہوئی زلف میں تابندگی، رخ پر دمک پیدا ہوئی

صحنِ غم میں باغِ عشرت کی ہوا آنے لگی کان میں راحت کے نغموں کی صدا آنے لگی

دیر تک کہنے لگی، عالم ہے کیا تنویر کا دل مرا آئینہ ہے اس کی چاند سی تصویر کا

ہے کوئی جلد آئے شادی کا مری ساماں کرے
بدلیاں آکر یہاں لے، مانگ صندل سے بھرے

پھول برسیں جلد انگنائی کو بھرنے کے لیے
زرفشاں طاؤس آئیں رقص کرنے کے لیے

ارے کہہ دو کہ میری زلف پہ سایہ کرے
جشن کی دیوی کدھر ہے، بزم میں جلوا کرے

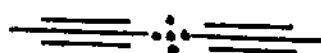
کہہ دو مشاطہ سے آئے، رخ کھونے کے لیے
خم بہ خم زلفوں میں پھر موتی پرونے کے لیے

عشرتِ جاوید باندی ہے مرے احکام کی
اب سکھی، ایرنگیاں حاضر ہیں صبح و شام کی

سرمدی نغموں کو ہے اب ربط میرے ساز سے
آشیاں اونچا ہے میرا وقت کی پرواز سے

حکم رقاصہ کو دو چھاگل پہن کر پاؤں میں
آئے پچھلی رات تاروں کی سہانی چھاؤں میں

خاک تلسی کی نظر سے رشک گلشن ہوگئی
معرفت میں ڈوب کر یہ رہ سہاگن ہوگئی



درسِ آدمیّت

عزیزو یہ حوتِ رواں کشِ ہند — یہ مے خوار زاہد، یہ درویش رند

یہ دنیا کا حق کیش باطل نواز — یہ خاور نکس، شاعرِ ذرہ سار

یہ طاعت پرست و بغاوت پناہ — یہ فطرت سفید و یہ نامہ سیاہ

یہ تعمیر آمادہ تخریب کوش — یہ خلوت سرود و بہ جلوت خروش

یہ صورت گرِ نور و معمارِ نار — یہ سر حلقۂ اولیائے کبار

یہ دانائے رازِ خفی و جلی — گنہ گار معصوم، کافر ولی

گہے شادماں و گہے مضمحل — جہنم در آغوش و جنت بہ دل

یتیم و چراغِ نگارِ نجات — یہ ایں ترک و تحریکِ صوم و صلوٰۃ

یہ ہستی مکدر، یہ مستی نقی — یہ اس دور کا فاسق متقی!!

یہ تاریک اعمال روشن ضمیر — سیہ کار قدسی قدح خوار پیر

یہ جھوٹی عدالت کا سچا گواہ — یہ سر تا قدم اک مقدس گناہ

خطاؤں کا خوگر، سراپا سے دور — یہ قانوں داں مجرم بے قصور

یہ داماد عادل ظلوم و جہول — یہ بے دیں مومن، یہ منکر رسول!

ندا دے رہا ہے تمھیں صبح و شام — عزیزو یہ رندِ علیہ السلام

کہ آؤ سوئے منزلِ منزلت — پئے رونقِ دینِ انسانیت؛

محبت کا اس پیر سے درس لو — خس و خار سے بھی محبت کرو

محبت کے سینوں میں غنچے کھلاؤ — شراروں کو کاٹو، ستارے اگاؤ

مساواتِ انساں کی خاطر مرو — درِ آدمیت پہ سجدے کرو؛

یہ ہندو شریف اور یہ مسلم شریف — یہ سب ہیں ذلیل و دنی و کثیف

یہ انساں نہیں ہیں یہ چوپائے ہیں — یہ سانڈ ہیں اور یہ سب گائے ہیں

یہ قاتل، یہ ڈاکو، یہ شمرِ لعیں — یہ رندائی! اسفل السافلیں؛

یہ "زیداسیے" اور یہ جینتیے — یہ پڑے یہ اڑھے یہ ناستیے

بہت سخت گھٹیا ہیں، لوے ہیں یہ — حدیدا اہرمن کے کھلونے ہیں یہ

میسر نہیں جس امن و اماں — جہاں بھی ہیں یہ چوٹیاں داڑھیاں

یہ معبد سہانا، یہ مسجد حسیں — درِ آدمیت سے بہتر نہیں

کوئی چیز انساں سے بالا نہیں — ہر اک شے گماں، صرف انساں یقیں

مدارِ حقیقت کا شاہ آدمی — کلاہِ سرِ مہر و ماہ آدمی؛

بہا بخشِ نجم و گہر آدمی؛ — ضیا بخشِ شمس و قمر آدمی؛

دُرِ حلقۂ لعلِ یمن آدمی — گل و برگ و سرو و سمن آدمی

امینِ حراں و بہار آدمی — گلستاں کا پروردگار آدمی

تقاضائے عرش مبیں آدمی — تمنائے فرشِ بریں آدمی

حسین و صبیح و صنم آدمی — نگارِ حدوث و قدم آدمی

زمیں آدمی، آسماں آدمی — الٰہ زمان و مکاں آدمی

نہ ہندو، نہ گبر و مسلماں بنو — اگر آدمی ہو تو انساں بنو

نہ انساں بنوگے تو گل جاؤگے — خود اپنے جہنم میں جل جاؤگے



پند نامہ

اے مجازؔ، اے ترانہ بارِ مجاز
زندہ پیغمبرِ بہارِ مجاز

اے روئے سمن وشاں گل پوش
اے بہ کوئے مغاں تمام خروش

اے پرستارِ مہ رخانِ جہاں
اے کماندارِ شاعرانِ جواں

تجھ سے تاباں جبینِ مستقبل
اے مرے سینۂ امید کے دل

اے مختار اے مبصّرِ خدو خال
اے شعورِ جمال و شمعِ خیال

اے ثریا فریب و زہرہ نوار
شاعرِ مست و رندِ شاہد باز

ماتدِ عشوۂ شباب ہے تو
صبحِ فردا کا آفتاب ہے تو

تجھ کو آیا ہوں آج سمجھانے
حیف ہے تو اگر برا مانے!!

خود کو غرقِ شراب ناب نہ کر
دیکھ اپنے کو یوں خراب نہ کر

شاعری کو تری ضرورت ہے
دورِ فردا کی تو امانت ہے

صرف تیری بھلائی کو لے جاں
بن کے آیا ہوں "ناصحِ ناداں"

اکمہ ٹھہر اکہ، اک مکاں ہے تو
دیکھ کس درجہ دھاں پاں ہے تو

لہ اسرار الحق مجاز ردولوی

ننگ ہے محض استخواں ہونا　　سخت اہانت ہے ناتواں ہونا

استخوانی بدن، دخانی پوست　　ایک سگیں حرم ہے لے دوست

شرم کی بات ہے وجودِ سقیم　　ناتوانی ہے اک گناہِ عظیم

"جسم" اور "علم" طرفہ طاقت ہے　　یہی انساں کی نعمت ہے

جو ضعیف و علیل ہوتا ہے　　عشق میں بھی ذلیل ہوتا ہے

ہر بشر کو جو ایک دولت ہے　　علم اور جسم کی ضرورت ہے

کثرتِ بادہ رنگ لاتی ہے　　آدمی کو لہو رلاتی ہے

خوش دلوں کو رلا کے ہنستی ہے　　شمعِ اختر[1] کھا کے ہنستی ہے

اور جب آفتِ تگر[2] پہ لاتی ہے　　رند کو مولوی بناتی ہے

مے سے ہوتا ہے مقصدِ دل فوت　　مے ہے مینا و مولویت و موت

کاں میں سن یہ بات ہے نشتر　　مولویت ہے موت سے بدتر

اس سے ہوتا ہے کارِ عمر تمام　　اس سے ہوتا ہے عقل کو سرسام

اِس میں انساں کی جاں جاتی ہے　　اُس میں شاعر کی جاں جاتی ہے

یہ زمیں آسماں کیا شے ہے　　آں جالے تو جاں کیا شے ہے

گو ہر شاہ وار ہیں پیارے　　مجھ سے اک گر کی بات سن پیارے

---

[1] اختر شیرانی۔ [2] تگر مراد ادادی۔

غم تو سمٹا ہے چار دن میں نشاط — شادمانی سے رہ بہت محتاط!

غم کے مارے تو جی رہے ہیں ہزار — نہیں بچتے ہیں عیش کے بیمار

آنچ بس دل کے پار ہوتی ہے — پنکھڑی میں وہ دھار ہوتی ہے

جوئے عشرت میں غم کے دھارے ہیں — یح و تبسم میں بھی شرارے ہیں

ہاں سنبھل کر لطافتوں کو برت — ٹوٹ جائے کہیں نہ کوئی پرت

دیکھ کر شیشۂ نشاط اٹھا — یہ ورق ہے ورق ہے سونے کا

کاغذِ باد یہ نگینہ ہے!! — بلکہ اے دوست آبگینہ ہے

ساغرِ شبنم خوش آب ہے یہ — آبگینہ نہیں حباب ہے یہ؛

روک لے سانس جو قریب آئے — ٹھیس اس کو کہیں نہ لگ جائے

تیغِ مستی کو احتیاط سے چھو — ورنہ ٹپکے گا انگلیوں سے لہو؛

مستیوں میں ہے تابِ جلوۂ ماہ — اور یہ مستیاں، خدا کی پناہ

جوش ہے ایک حد پہ قائم نشہ — ہلکا پھلکا، سبک ملائم نشہ

ہاں ادب سے اٹھا ادب سے جام — تا کہ آب حلال ہو نہ حرام

جام پر جام جو چڑھاتے ہیں — اوٹ کی طرح مل ملاتے ہیں

رندگی کی ہوس میں مرتے ہیں — مے کو رسوائے دہر کرتے ہیں

یاد ہے جب جگر[1] چڑھاتے تھے — کیا اَلِف ہو کے ہم ہناتے تھے

[1] جگر مرادآبادی

میری گردن میں بھر کے چید آہیں یاؤں سے ڈالتے تھے وہ باہیں
عقل کی موت، علم کی یستی الاماں لعنت سیہ مستی
اف گھٹاٹوپ لتے کا طوماں کھوت، عفریت، دیو، جن، شیطاں
لات، گھونسہ، چھڑی، چھری، چاکو لب لباہٹ، لعاب، کف، بدبو
طنز، آوارہ، برہمی، افساد طعن، تشنیع، مضحکہ، ایراد
شور، ہو حق، ارے تے، ہے ہے اُدکھیاں، گالیاں، دھماکے، قے
مس مساہٹ، عشق، تپش، چکر شور، سیلاب، سسی، مرمر
چل چھے، چچ، چیاں چیں، چنگھاڑ چچ چچے، چاؤں چاؤں، چیل چلوٹ
لیاڈگی، لستام، لام، لڑائی ہول، ہیجان، ہاہک، ہاتھاپائی
کھل بلی، کاؤں کاؤں، کھٹ منڈل ہونک، ہنگامہ، ہم ہمہ، ہل چل؛
الجھن، آوارگی، ادھم، اینٹھن ٹھونک، ٹھوں ٹھوں، ٹھس ٹھس، ٹھن ٹھن
ڈھول دھیا، دھکڑ پکڑ، دھتکار تہلکہ، تو تڑاق، تف، تکرار!
ٹوہک، کھے، ہکس، رر، کھوچال دبدبے، دبدبا ہٹیں، دھمال!
گاہ نرمی و لطف و مہر و سلام گاہ تلخی و ترشی و دشنام
عقل کی موت علم کی یستی الاماں لعنت سیہ مستی؛
مرد لتے کی بھیگتے دے مسیں ان کو سے ہے کبھی موکیں

الاماں، خوفناک، کالا لشکر — اوہ، رئیس و بروت والا لشکر

اژدرِ مرگ و دیو خوں خواری — الاماں لشکرِ "جٹادھاری"

لشکر کا "جھٹ پٹا" ہے نورِ حیات — "جُھٹ پٹے" کو سا نہ کالی رات

لشکر کی تیرہ روشنی بھی غلط ؛ — چودھویں کی سی چاندنی بھی غلط

ذہن انساں کو بخشتا ہے جمال — لشکر ہو جب بہ قدرِ نورِ ہلال ؛

عروءِ عقل چھیڑ تو، اکثر — پر اسے کچھ گیا کے سدھ کر!

رات کو لطف جام ہے پیارے — دن کا پینا حرام ہے پیارے

دن ہے عفریتِ آز کی پھنکار — رات یاربّ بہار کی جھنکار

دن ہے جانستاں، خاک، دھول، دھواں — رات آئینہ، انجم، افشاں

دن مسلح، دواں، کمر بستہ — رات، طاق و رواق و گل دستہ

دن ہے فولاد، سنگ، تیغ، علَم — رات — کمخواب، پنکھڑی، تبسم

دن ہے تیوری، دہائیاں، دکھڑے — رات — مست انکھڑیاں، ہوا مکھڑے

دن کڑی دھوپ کی بد آہنگی — رات — پچھلے پہر کی سارنگی ؛

دن بہادر کا بان، ہیر کی رتھ — رات — چمپا کلی، انگوٹھی، نتھ

دن ہے طوفانِ جست و رفتار — رات — محرابِ کاکل و رخسار

آفتاب و شراب ہیں بیری — تو تلیں دن کو میں کھیل بیری

کر نہ پامال حرمتِ اوقات / رات کو دن بنا، نہ دن کو رات

پی — مگر صرف شام کے ہنگام / اور وہ بھی بہ قدرِ یک دو جام!

وہی انساں ہے محرم و خورسند / جو ہے مقدار و وقت کا پابند

میرے پینے ہی پر نہ جا مری جاں / مجھ سے جینا بھی سیکھ، میں قرباں

اس کے پینے میں رنگ آتا ہے / جس کو جینے کا ڈھنگ آتا ہے

یہ نصائح بہت ہیں بیش بہا / جلد سو، جلد جاگ، جلد نہا!

باغ میں جا طلوع سے پہلے / تا نگارِ سحر سے دل بہلے؛

سروِ شمشاد کو گلے سے لگا / ہر چمن زاد کو گلے سے لگا

مہ اندھیرے فضائے گلشن دیکھ / ساحل و سبزہ زار و سوسن دیکھ

گاہ آوارہ ابر پارے دیکھ / ان کی رفتار میں ستارے دیکھ

جیسے کہرے میں تابِ روئے نکو / جیسے جنگل میں رات کو جگنو!

گل کا منہ چوم، اک ترنم سے / نہر کو گدگدا تبسم سے

جسم کو کر عرق سے نم آلود / تاکہ نسیم پڑھے لپک کے درود

پھینک سنجیدگی کا سر سے بار / ناچ، اچھل، دندنا، چھلانگیں مار

دیکھ آبِ رواں کا آئینہ / دوڑ ساحل پہ تان کر سینہ

مست چڑیوں کا چہچہانا سن / صبحِ نو عشق کا ترانہ سن

بوستاں میں صبا کا چلنا دیکھ — سبزہ و سرو کا مچلنا دیکھ

نسیم آلود کر سخن کا لباس — چکھ دھندلکے میں بوئے گل کی مٹھاس

شاعری کو کھلا، ہوائے سحر! — اس کا نفقہ ہے تیری گردن پر

رقص کی لہر میں ہو گم لبِ نہر — یوں ادا کر عروسِ شعر کا مہر؛

جذب کر بوستاں کے نقش و نگار — ذہن میں کھول معرکا مار ار

نرم جھونکوں کا آبِ حیواں پی — بوئے گل، رنگِ شبنمستاں پی

گُن گنا کر، نظر اٹھا کر پی — صبح کا شیر و غدغا کر پی؛

تاکہ مجرے کو آئیں کل برکات — دولتِ جسم و علم و عقل و حیات

یہ نہ طعنہ، نہ یہ اُلہنا ہے — ایک نکتہ بس اور کہنا ہے

عیبتِ نور ہو کہ کثرتِ نور — ظلمتِ تام ہو کہ شعلۂ طور؛

ایک سا ہے وبال دونوں کا — تیرگی ہے مآل دونوں کا

درخورِ صاحبِ مآل نہیں — ہر وہ شے جس میں اعتدال نہیں

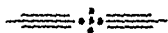
شادمانی سے پی نہیں سکتا — حس کو ہوکا ہو جی نہیں سکتا

اے پسر، اے برادر، اے ہمراز — بن نہ اس طرح دُور کی آواز

کوئی بیمار تن نہیں سکتا — خادمِ خلق بن نہیں سکتا

خدمتِ خلق فرض ہے تجھ پر — دورِ ماضی کا قرض ہے تجھ پر

عصرِ حاضر کے شاعرِ خود دار　　قرض داری کی موت سے ہشیار
ذہنِ انسانیت ابھار کے جا　　زندگانی کا قرض اتار کے جا
تجھ پہ ہندوستاں ناز کرے　　عمر تیری خدا دراز کرے



جمال وجلال

کیوں اک طرف ہی کھینچئے ہندوستاں تو　　اک وضع پر نہیں ہے مرے ولولوں کی رَو
کعبے کا نور ہوں تو کبھی بت کدے کی ضَو　　گرتی ہے گاہ برق، بھڑکتی ہے گاہ لَو

دریا ہوں اک مقام پہ رہتا نہیں کہیں میں
اک خطِ مستقیم پہ بہتا نہیں ہوں میں

بہنا مرا متاع ہے، بہنا مرا معاد　　وہ خطۂ جمود ہو، یا عرصۂ جہاد
وہ راہِ برگ و بار ہو، یا کوئے برق و باد　　بہنا مری حیات ہے، بہنا مری مراد

پیہم مسافرت ہی میں رہنے سے کام ہے
دن ہو کہ رات نہر کو بہنے سے کام ہے

بوستاں میں صبا کا چلنا دیکھ — سبزہ و سرو کا مچلنا دیکھ

شبنم آلود کر سخن کا لباس — چکھ دھندلکے میں بوئے گُل کی مٹھاس

شاعری کو کھلا، ہوائے سحر! — اس کا نفقہ ہے تیری گردن پر

رقص کی لہر میں ہو گم لبِ نہر — یوں ادا کر عروسِ شعر کا مہر؛

جذب کر بوستاں کے نقش و نگار — ذہن میں کھول مصر کا بازار

نرم جھونکوں کا آبِ حیواں پی — بوئے گل، رنگِ شبنمستاں پی

گن گنا کر، نظر اٹھا کر پی — صبح کا شیر دغدغا کر پی؛

تاکہ مجرے کو آئیں کل برکات — دولتِ جسم و علم و عقل و حیات

یہ نہ طعنہ، نہ یہ اُلہنا ہے — ایک نکتہ بس اور کہنا ہے

غیبتِ نور ہو کہ کثرتِ نور — ظلمتِ تام ہو کہ شعلۂ طور؛

ایک سا ہے وبال دونوں کا — تیرگی ہے مآل دونوں کا

درخورِ صاحبِ مآل نہیں — ہر وہ شے جس میں اعتدال نہیں

شادمانی سے پی نہیں سکتا — جس کو ہوکا ہو جی نہیں سکتا

اے پسر، اے برادر، اے ہمراز — بن نہ اس طرح دُور کی آواز

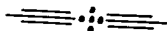
کوئی بیمارِ تن نہیں سکتا — خادمِ خلق بن نہیں سکتا

خدمتِ خلق فرض ہے تجھ پر — دورِ ماضی کا قرض ہے تجھ پر

عصرِ حاضر کے شاعرِ خود دار ‏ ‏ قرض داری کی موت سے ہشیار

ذہنِ انسانیت نکھار کے جا ‏ ‏ زندگانی کا قرض اتار کے جا

تجھ پہ ہندوستاں ناز کرے ‏ ‏ عمر تیری خدا دراز کرے



جمال و جلال

کیوں اک طرف ہی کھینچتے ہو دوستانِ نَو ‏ ‏ اک وضع پر نہیں ہے مرے ولولوں کی رَو

کعبے کا نور ہوں تو کبھی بت کدے کی ضَو ‏ ‏ گرتی ہے گاہ برق، نکلتی ہے گاہ لَو

دریا ہوں اک مقام پہ رہتا نہیں کبھی میں

اک خطِ مستقیم پہ بہتا نہیں ہوں میں

ہمارا متاع ہے، ہمارا معاد ‏ ‏ وہ خطۂ محمود ہو، یا عرصۂ جہاد

وہ راہ برگ و بار ہو، یا کوئے رقص و شاد ‏ ‏ ہماری حیات ہے، ہماری مراد

پیہم مسافرت ہی میں رہنے سے کام ہے

دن ہو کہ رات نہر کو بہنے سے کام ہے

بوستاں میں صبا کا چلنا دیکھ　　سبزہ و سرو کا مچلنا دیکھ

شبنم آلود کر سخن کا لباس　　جیکھ دھندلکے ہیں بوٹے گل کی مٹھاس

شاعری کو کھلا، ہوائے سحر!　　اس کا نفقہ ہے تیری گردن پہ

رقص کی لہریں ہو گم لب نہر　　یوں ادا کر عروسِ شعر کا مہر؛

حدب کر بوستاں کے نقش و نگار　　ذہن میں کھول مصر کا بازار

نرم جھونکوں کا آبِ حیواں پی　　بوئے گل، رنگِ شبنمستاں پی

گن گنا کر، نظر اٹھا کر پی　　صبح کا شیر و غدغا کر پی؛

تا کہ مجرے کو آئیں کل برکات　　دولتِ جسم و علم و عقل و حیات

یہ نہ طعنہ، نہ یہ اُلہنا ہے　　ایک نکتہ بس اور کہنا ہے

غیبتِ نور ہو کہ کثرتِ نور　　ظلمتِ تام ہو کہ شعلۂ طور؛

ایک سا ہے وبال دونوں کا　　تیرگی ہے مآل دونوں کا

در حورِ صاحبِ مآل نہیں　　ہر وہ شے جس میں اعتدال نہیں

شادمانی سے پی نہیں سکتا　　جس کو ہو کا ہو جی نہیں سکتا

اے لپسر، اے برادر، اے ہمراز　　سن نہ اس طرح دُور کی آواز

کوئی بیمار تن نہیں سکتا　　خادمِ خلق بن نہیں سکتا

خدمتِ خلق فرض ہے تجھ پر　　دورِ ماضی کا قرض ہے تجھ پر

رقصندہ آرزو ہوں مچلتی ہوئی امنگ بہکی سی چال ہوں، تو بدلتا ہوا سا رنگ
میری روانیاں ہیں کہ طغیانِ موجِ گنگ غلطاں ہیں مجھ میں گوہر و خاشاک و لعل و سنگ

بہتا ہوں بحرِ زیست کے دھارے لیے ہوئے
قطرات کی گرہ میں شرارے لیے ہوئے

وہ نغمہ ہوں کہ جس کی نہیں کوئی ایک لَے وہ نالہ ہوں کہ ہو نہیں سکتا جو وقفِ نَے
دل میں نہاں ہے دہر کی ہر سرد و گرم شے تریاق و زہر و رم و زہرآب و قند و مے

شاعر کا دل فقیر ہے اور لکیر کا
سنگم ہوں رودہائے حدید و حریر کا

وابستہ گاہ خوب سے ہوں، گاہ زشت سے دوزخ سے ربط، گاہ تعلق بہشت سے
کعبے سے انس، گاہ عقیدت کنشت سے گوہر سے کھیلتا ہوں، کبھی سنگ و خشت سے

خاک و خزف کبھی جیب میں ہیں مہر و ماہ کبھی
رند ہزار پیشہ گدا کبھی ہے، شاہ کبھی

دل میں ہے رہبری کا کبھی رہبری کا رنگ سر میں کبھی خودی کا، کبھی بے خودی کا رنگ
کرنوں کا رنگ ہے، تو کبھی چاندنی کا رنگ عاشق کا روپ ہے تو کبھی فلسفی کا رنگ

یہ شاعری ہے، عرش کی بازی گری نہیں
یعنی خدا نخواستہ، پیغمبری نہیں

ہمت شکن نشیب، نہ صبر آزما فراز   عقدے گرہ کشا، تو حوادث ہیں کارساز
افشا ہے میرے ذہن پہ دار و رسن کا راز   وہ قامتِ بلند ہے، یہ گیسوئے دراز

دار و رسن کے نام سے اور میں رمیدہ ہوں
ناگن سے کیا ڈروں گا کہ کاکل گزیدہ ہوں

پتھر کو توڑتی ہے مری عزمتِ شبو   ناخن سے میرے عقدۂ مشکل ہے زرد رو
ہر چاک بخشتا ہے مجھے دولتِ رفو   خود اپنے خونِ گرم سے کرتا ہوں شست و شو

گم ہوں تجلیات میں یوں کائنات کی
جوئے اجل بھی موت ہے آبِ حیات کی

ہر شے نظر فروز ہے میری نگاہ میں ؛   منزل کا گل کدہ ہے جو کانٹا ہے راہ میں
درہائے تاجِ مصر ہیں میری کلاہ میں   ہر چند غوطہ زن ہوں مصائب کی چاہ میں

ہوں چاہ میں بھی آبِ مسرت پیے ہوئے
پانی ہے لوٹے دامنِ یوسف لیے ہوئے

مدا مہکتی ہے حسنِ مجسم مرے لیے ؛   زنجیرِ غم ہے گیسوئے پُرخم مرے لیے
شمشیرِ ماہ و سال ہے مرہم مرے لیے   ہر وقت کا ہے قطرۂ تسنیم مرے لیے

پپڑی جمی ہے یوں دلِ آشفتہ کار کی
سانس ابلق لیل و نہار کی

انچاسویں برس میں ہے گو عمر کا قدم دل میں وہی تڑپ ہے، وہی ولولوں میں رَم
ہر سور میں ہے سازِ جوانی کا زیر و بَم آتی ہے آسماں سے یہ آواز دم بدم

دبنے نہ دے گماں سے ہر گز یقیں کو
اٹھ قوت و حیات سے بھر دے زمیں کو

میں فطرۃً ہوں بندۂ اصنام آوری اور خیر سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری
اس وجہ سے ہے عشق میں بھی شانِ صفدری پہلو میں میرے دیو، تو زانو پہ ہے پری

نظریں جمالِ یار پہ، سر خشت و سنگ پر
اک ہاتھ ہے رباب پہ، اک طبلِ جنگ پر

اہلِ وطن کے درد سے آنکھیں ہیں اشکبار آلودۂ سرشک ہے صہبائے زر نگار
صبحیں سیاہ پوش، تو شامیں ہیں سوگوار اکثر خوشی کے وقت بھی روتا ہوں زار زار

نصرت غریب کو ہو یہی بس جنون ہے
ہر چند ان رگوں میں امیروں کا خون ہے

یہ کون پڑھ رہا ہے مری بزم میں درود؟ یہ کیا کہ میری ذات میں اے عالمِ شہود
انسانیت ہے خونِ امارت کے باوجود "مارا ازیں گیاہِ ضعیف ایں گماں نہ بُود"

ہاں دشمنِ قوی و رفیقِ ضعیف ہوں
خود اپنی نسل اپنے لہو کا حریف ہوں

کرتا ہوں چاک دامنِ شاہانِ تند خو ۔۔۔ اور یوں کہ تا ابد نہ کبھی ہو سکے رفو؛
میری رگوں میں ہے اور سلاطیں کا گلو ۔۔۔ غلطاں ہے میرے جام میں جمشید کا لہو

رہتا ہوں مست بادۂ گلگوں پیے ہوئے
دوزخ کو بھی یہ سرخ پھریرا لیے ہوئے

یہ عمرِ انحطاط، یہ طغیانِ مکر و جنگ ۔۔۔ یہ سیلِ بے دریغ، یہ طوفانِ بے درنگ
یہ جوئے خوں کہ رنگ ہو جس سے حریفِ گنگ ۔۔۔ پھر بھی برس رہا ہے مرے دل پہ آئے رنگ

جس کو مہک ہے زلفِ بتاں سے ملی ہوئی
سینے میں آج بھی ہیں وہ کلیاں کھلی ہوئی

دشتِ سیاسیات میں آتش چکاں بھی ہوں ۔۔۔ کوئے جمالیات میں گوہر فشاں بھی ہوں
گل رنگ و تشنہ سار بھی، تیغ و سناں بھی ہوں ۔۔۔ ہاں مکرِ خدا بھی، مطیعِ بتاں بھی ہوں

کب صبح و شام راہ سے ہٹتا نہیں ہوں میں
پر مرکزِ جمال سے ہٹتا نہیں ہوں میں

مردوں کی طرح دیر سے ہوں گرمِ گیر و دار ۔۔۔ آتش فشاں و برق چکاں و شرارہ بار
لیکن دروں معرکۂ سخت و استوار ۔۔۔ اک ہاتھ میں حراں ہے تو اک ہات میں بہار

آوازِ طبلِ جنگ کی رو میں عجائبی ہے
کچھ حور ہی نہیں ہے جلو میں جمالی ہے

گو دل ہے اور دورِ عسرتی کا حلقہ تار   سینہ ہے پاش پاش تو دامن ہے تار تار
ہر شام زخمِ دشنہ ہے، ہر صبح نوکِ خار   پھر بھی پیا زونار کا جاری ہے کاروبار

کھچڑی ہیں بال، پھر بھی وہی شغلِ خام ہے
سینے میں زلف و رخ کی وہی صبح و شام ہے

اے زلفِ مشک پرور و اے روئے ماہ پار   اے شامِ نجم عشوہ و اے صبحِ مہرکار
اے رقصِ جو، سرودِ صبا، لحنِ آبشار   "گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار"

"لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا"
مانا کہ رہنِ گرمیٔ محفل نہیں رہا؛

خلوت میں بھی ہوں گرمیٔ محفل لیے ہوئے   ہر اک قدم میں دولتِ منزل لیے ہوئے
حد ہے کہ ہوں دماغ میں بھی دل لیے ہوئے   مقتل میں بھی ہوں پردۂ محمل لیے ہوئے

ہنگامۂ دعا میں بھی دم ٹوٹتا نہیں
حبلِ متینِ زلفِ رسا چھوٹتا نہیں

کام و دہن کو قرب ہے گو جامِ زہر سے   لو آ رہی ہے موت کی انفاسِ دہر سے
فکر ہے دیوِ جبر سے، طاعوتِ قہر سے   غافل نہیں ہوں پھر بھی نگارانِ شہر سے

نعموں کی دھن ہے دہر کی اس کاؤں کاؤں میں
پھولوں کو چن رہا ہوں ببولوں کی چھاؤں میں

مولوی

ہوئی اک مولوی سے کل ملاقات | شبیہِ قبۂ و تصویرِ منبر؛
وہی ہوں گے جو فردوسِ بریں میں | خدا کے فضل سے حوروں کے شوہر
عمامہ بر سر و مسواک در جیب | اُٹنگا پائجامہ، دلق در بر
حنائے ریش سرخ، آنکھوں میں سرمہ | لٹیں مہکی ہوئی، نعلین معطر
جھلکتا نیفے پہ چوخانے کا رومال | عبا کے سد میں تسبیحِ احمر
کشادہ صدر اور کوتاہ گردن | شکم پر رعب، قد رشکِ صنوبر
لٹیں بکھری ہوئی، آنکھوں پہ عینک | لبیں ترشی ہوئی، داڑھی شکم پر
عبا عناب گوں، دھانی عمامہ | گلوری منہ میں، لب خونِ کبوتر
جبیں کا داغ، اک دہکی ہوئی رات | کمر کا گھیر اک سمٹا سمندر
بتوں کی چاہ میں ہم رشکِ مجنوں | خدا کے عشق میں وہ دیو پیکر
وضو کے فیض سے تاراس داڑھی | خدا کے خوف سے چہرہ گلِ تر"
سجودِ بے ریا، ماتھے کی مہندی | درود و ماسوا، ہونٹوں کا پوڈر
اوامر کی ثنا، ہجوِ نواہی | حدیثیں بر زباں، قرآں ازبر

ارم کے تذکرے کس کس مزے سے — حنائی ریش مٹھی میں پکڑ کر
جبیں گہوارۂ انوارِ یزداں — زباں آئینۂ خلقِ پیمبر
مگر آنکھوں میں ہنگامِ تبسم — ریا کی چشمکیں، اللہ اکبر

نوحۂ آگاہی

زندگی رشتۂ سوزاں ہے یہ معلوم نہ تھا — موت کی لرزشِ مژگاں ہے یہ معلوم نہ تھا
سرِ می قشقۂ شاداب و فروغِ ایماں — شعلۂ کسوتِ انساں ہے یہ معلوم نہ تھا

جادوے لعل و لب و شعبدۂ گوشۂ چشم — فتنۂ شہرِ حریفاں ہے یہ معلوم نہ تھا
وائے رحیل کہ ہر زمزمۂ صبحِ وطن — نوحۂ شامِ غریباں ہے یہ معلوم نہ تھا

بوئے گل، ڈنک سناں ہے، یہ خبر تھی کس کو — برگِ گل خنجرِ براں ہے یہ معلوم نہ تھا

غنچہ خمیازۂ خس ہے یہ گماں تھا کس کو — نغمۂ گل ہانکِ پریشاں ہے یہ معلوم نہ تھا
ہر گہر اشکِ پشیماں ہے، کسے تھا یہ خیال — ہر ہر شاخِ غزالاں ہے یہ معلوم نہ تھا

کوچۂ فقر میں ہر دیدۂ مسِ کار زرگر — کاسۂ دستِ گدایاں ہے یہ معلوم نہ تھا
بے حسی شاہدِ رماں ہے یہ خطر تھی کس میں — بے دلی مائجِ دوراں ہے یہ معلوم نہ تھا
گلِ شاداب ہے اک گریۂ خنداں بہار — سارا اک خندۂ گریاں ہے یہ معلوم نہ تھا

شعر کا رنگ جوانی کی حسیں ساز ترنگ — تشنۂ خونِ رگِ جاں ہے یہ معلوم نہ تھا
جس نفس پر ہے رواں کشتیِ عمرِ انساں — وہ نفس موج کا طوفاں ہے یہ معلوم نہ تھا

تبسمِ صبحِ بہاراں ہے متاعِ لبِ مہر
ہر نفس دست و گریباں ہے یہ معلوم نہ تھا

تابشِ تمکنتِ قطب و ثباتِ کہسار
لرزشِ کاہِ سبک جاں ہے یہ معلوم نہ تھا

سیلِ آفات کے دھارے پہ حیاتِ انساں
برگِ الماس بداماں ہے یہ معلوم نہ تھا

خیمۂ لالۂ بالیدہ و محرابِ سرود
سایۂ ابرِ گریزاں ہے یہ معلوم نہ تھا

دوستو فصلِ بہاراں کی ہوائے جولاں
دشمنِ جیب و گریباں ہے یہ معلوم نہ تھا

زیستِ مختصر صحبتِ یارانِ ثبات
تا ابد ماتمِ یاراں ہے یہ معلوم نہ تھا

وسعتِ دشت میں ہر لمحۂ وحشت میں بھی
گریۂ گوشہ نشیناں ہے یہ معلوم نہ تھا

لمسِ مضرابِ دمادم سے کھٹکتا ہر تار
حادثۂ شہرِ خموشاں ہے یہ معلوم نہ تھا

وصل کی چند بہاروں کے علاوہ یہ حیات
اک تسلسلِ شبِ ہجراں ہے یہ معلوم نہ تھا

حسن کو بخشا ہے دلِ سادہ نے رحمت کا خطاب
وہ بھی اک قطرہ کا عنواں ہے یہ معلوم نہ تھا

اس جہاں مشعلِ وجداں و چراغِ آیات
فکرِ غارت گرِ ایماں ہے یہ معلوم نہ تھا

عرشِ اعظم پہ فرشتوں کی متاعِ طاعت
علمِ آدم سے پشیماں ہے یہ معلوم نہ تھا

خاک پر حضرتِ انساں کی خلافت کا علم
جنبشِ دامنِ عصیاں ہے یہ معلوم نہ تھا

درسِ تہذیبِ اطاعت ہے بغاوت کا خروش
'اہرمن' "حکمتِ یزداں" ہے یہ معلوم نہ تھا

آبِ خمخانۂ ہستی و شرابِ ہستی
تبسمِ گورِ غریباں ہے یہ معلوم نہ تھا

برگِ سرو و ورقِ نسترن و تختۂ گل
چادرِ قبرِ بہاراں ہے یہ معلوم نہ تھا

دہر گویا ترکِ چشمِ غزالاں کے حضور
حقۂ سرمہ فروشاں ہے یہ معلوم نہ تھا

خود ستا کافر و کافر گر و کافر گفتار
قطرۂ صاحبِ ایماں ہے یہ معلوم نہ تھا

آدم کا نزول

ذرہ ذرہ سے اٹھی اک تازہ موجِ زندگی
آسمانوں نے علم کھولے زمیں نے سانس لی

بھاپ بن کر چھائی میدانوں پہ روحِ بحر و بر
دید کی خاطر پہاڑوں نے اٹھائے اپنے سر

سنسنائی سینۂ فولاد میں تیغِ دو دَم
پتھروں میں کسمسائے ناتراشیدہ صنم

خفتہ میدانوں میں تمدن کا تخیل جاگ اٹھا
ایک پرتو سا در و دیوار کا پڑنے لگا

لیلیٰ تعمیر کا رخسار لَو دینے لگا
گونج اٹھی کہسار کے سینے میں تیشے کی صدا

حکم قدرت کو لیے موجِ ہوا آنے لگی
"باادب، باہوش" کی پیہم صدا آنے لگی

ذوقِ ایجادات وسعت کا گلہ کرنے لگا
آئی طبلِ عالمِ خاکی سے "دوں دروں" کی صدا

اپنے میثاقِ اطاعت کو سنانے کے لیے
آئیں ساری قوتیں عالم کی صف باندھے ہوئے

سامنے آ آ کے اشیا نے بتائے اپنے نام
ہو گئے سیدھے عناصر نے کیا جھک کر سلام

تند طوفانوں کی اکڑی گردنیں خم ہو گئیں
احتراماً قدِ آدم بحر کی موجیں اٹھیں

رکھ کے کشتی میں خواصِ ابر و آب بحرِ خراج
نذر کو آیا قوائے کارفرما کا مزاج

جھک گئی ہستی موذب ہو گئے ارض و سما
شاہدانِ دہر نے وا کر دیے بندِ قبا

روشنی کو سینۂ ظلمت میں راہیں مل گئیں
جاگ کے در کھل گئے، کانوں کی باچھیں کھل گئیں

نوعروسِ دہر نے زلفوں کو برہم کر دیا
چاند مجرے کو جھکا، سورج نے سر خم کر دیا

حادثات



جنگل کی شہزادی

پیوست ہے جو دل میں وہ تیر کھینچتا ہوں — اک ریل کے سفر کی تصویر کھینچتا ہوں

گاڑی میں گنگناتا مسرور جا رہا تھا — اجمیر کی طرف سے جے پور جا رہا تھا

تیزی سے جنگلوں میں یوں ریل جا رہی تھی — لیلیٰ ستار ایسا گویا بجا رہی تھی

خورشید چھپ رہا تھا رنگیں پہاڑیوں میں — طاؤس پر سمیٹے بیٹھے تھے جھاڑیوں میں

کچھ دور پر تھا پانی موجیں رکی ہوئی تھیں — تالاب کے کنارے شاخیں جھکی ہوئی تھیں

لہروں میں کوئی جیسے دل کو ڈبو رہا تھا — میں سو رہا ہوں ایسا محسوس ہو رہا تھا

اک کیف موج پرور دل سے گزر رہی تھی — ہر چیز دلبری سے یوں رقص کر رہی تھی

تھیں رخصتی کرن سے سب وادیاں سنہری — ناگاہ چلتے چلتے جنگل میں ریل ٹھہری

کانٹوں پہ خوبصورت اک بانسری پڑی ہے — دیکھا کہ ایک لڑکی میداں میں کھڑی ہے

زاہد فریب، گل رخ، کافر دراز مژگاں — سیمیں بدن، پری رخ، نوخیز، حشر ساماں

خوش چشم، خوبصورت، خوش وضع، ماہ پیکر — نازک بدن، شکر لب، شیریں ادا، فسوں گر

کافر ادا، شگفتہ، گل پیرہن، سمن بو — سرو چمن، سہی قد، رنگیں جمال، خوش رو

گیسو کمند، مہوش، کافور فام، قاتل — نظارہ سوز، دل کش، سرمست، شمع محفل؛

ابرو ہلال، مہ گوں، جاں بخش، روح پرور — نسریں بدن، پری رخ، سیمیں عذار، دلبر
آہو نگاہ، نورس، گل گوں، بہشت سیما — یاقوت لب، صدف گوں، شیریں، بلند بالا
غارت گرِ تحمل، دلسوز، دشمنِ جاں ؛ — پروردۂ مناظر، دوشیزۂ بیاباں ؛
گلشن فروغ، نرگس، مخمور، ماہ پارہ — "دلبر کہ در کفِ او موم است سنگ خارا"
ہر بات ایک افسوں، ہر سانس ایک جادو — قدسی فریب مژگاں، یزداں شکار گیسو
صحرا کی زیب و زینت، فطرت کی نورِ دیدہ — برسات کے ملائم تاروں کی آفریدہ ؛
چہرے پہ رنگِ تمکیں، آنکھوں میں بے قراری — ایمائے سینہ کوبی، فرمانِ بادہ خواری
لوہا تپانے والی جلووں کی ضو فشانی — سکتے میں ڈالنے والی اٹھتی ہوئی جوانی ؛
ڈوبے ہوئے سب اعضا حسنِ مناسبت میں — پالی ہوئی گلوں کے آغوشِ تربیت میں
حسنِ ازل ہے غلطاں شاداب پنکھڑی میں — یا جاں پڑ گئی ہے جنگل کی تازگی میں
حوریں ہزار دل سے قربان ہو گئی ہیں — رنگینیاں سمٹ کر "انسان" ہو گئی ہیں
جبیں ستم گری سے نا آشنا جبیں ہے — میں کون ہوں؟ یہ اس کو معلوم ہی نہیں ہے
ہر چیز پہ نگاہیں حیرت سے ڈالتی ہے — رہ رہ کے اڑنے والی چادر سنبھالتی ہے
آنچل سنبھالنے میں یوں بل سے کھا رہی ہے — گویا ٹھہر ٹھہر کر انگڑائی آ رہی ہے ؛
کچھ دیر تک تو میں نے اس کو بغور دیکھا — غش کھا رہی تھی عقبیٰ، چکرا رہی تھی دنیا
گاڑی سے پھر اتر کر اس کے قریب آیا — طوفانِ بے خودی میں پھر یہ زباں سے نکلا

اے درسِ آدمیت، اے شاعری کی جنت — اے صانعِ ازل کی نازک ترین صنعت

اے روحِ صنفِ نازک، اے شمعِ بزمِ عالم — اے صبحِ روئے خنداں، اے شامِ زلفِ برہم

اے تو کہ تیری نازک ہستی میں کام آئی — قدرت کی انتہائی تخئیلِ دل ربائی

چشم و چراغِ صحرا، اے نورِ دشت و وادی — رنگیں جمال دیوی، جنگل کی شاہزادی

بستی میں تو جو آئے اک حشر سا بپا ہو — آبادیوں میں ہلچل، شہروں میں غلغلہ ہو

رندانِ بادہ کش کے ہاتھوں سے جام چھوٹیں — تسبیح شیخ الجھے، توبہ کے عزم ٹوٹیں

نظروں سے اتقا کے رسم و رواج اتریں — زہاد کے عمامے، شاہوں کے تاج اتریں

آنکھیں ہوں اشک افشاں، نالے شرر فشاں ہوں — کیا کیا نہ شاعروں کے ملبوس دھجیاں ہوں

شہروں کے مہوشوں پر اک آسماں ٹوٹے — پروردۂ تمدن عشووں کی نبض چھوٹے

اس سادگی کے آگے نکلیں دلوں سے آہیں — جھک جائیں دلبروں کی خود ساختہ نگاہیں

تیری ادا کے آگے شرما کے منہ چھپائیں — ناپے ہوئے کرشمے، تولی ہوئی ادائیں

تیری نظر کی رو سے ہو جائیں خستہ و گم — مشق و مزاولت کے پالے ہوئے تبسم

اس داماں کے رخ کو بے آب رنگ کر دے — دنیا کو حسن تیرا میدانِ جنگ کر دے

کتنی ہی قسمتوں کے بدلے فلک نوشتے — خوں اور دوستی کے کٹ جائیں کتنے رشتے

تصنیف ہوں ہزاروں چبھتے ہوئے فسانے — ان انکھڑیوں کی زد پر کانپیں ترا سہانے

تیرے پجاریوں میں میرا بھی نام ہوتا — اے کاش جنگلوں میں میرا قیام ہوتا

یہ بن، یہ گل، یہ چشمے مجھ سے قریب ہوتے　　شاعر کے زیرِ فرماں یہ سب رقیب ہوتے
کیوں میری گفتگو سے حیرت فروش کیوں ہے؟　　اے زمزموں کی دیوی، آتی خموش کیوں ہے؟
بجنے لگیں وفا کی محفل میں شادیانے　　ہاں دے لبوں کو جنبش اے سرمدی ترانے
یوں چپ ہے مجھ سے گویا کچھ کام ہی نہیں ہے　　یہ وہ ادا ہے جس کا کچھ نام ہی نہیں ہے
سننا تھا یہ کہ ظالم اس طرح مسکرائی　　فریاد کی نظر نے، ارماں نے دی دہائی!
عشوہ جبیں پہ لے کر دل کی امنگ آیا　　چہرے پہ خوں دوڑا آنکھوں میں رنگ آیا
شرما کے آنکھ اٹھائی، زلفوں پہ ہاتھ پھیرا　　اتنے میں رفتہ رفتہ چھانے لگا اندھیرا
چمکا دیا حیا نے ہر نقشِ دلبری کو　　دانتوں میں یوں دبایا چاندی کی آرسی کو
بس کر مری مچلتی آنکھوں کی داستانیں　　اُس کی نگاہ میں تھی غلطاں ہوئیں زبانیں
شرما کے پھر دوبارہ زلفوں پہ ہاتھ پھیرا　　دیکھا تو چھا چکا تھا میداں پر اندھیرا
کچھ جسم کو چرایا، کچھ سانس کو سنبھالا　　کاندھے پہ نرم آنچل انگڑائی لے کے ڈالا
تاریک کر کے میری آنکھوں میں اک زمانہ　　جنگل سے سر جھکا کر ہونے لگی روانہ
ہونے لگی روانہ، ارماں نے سر جھکایا　　دل کی مشال کا پیارہ رہ کے بن کا سایا
بے ہوش ہو چلا میں، سینے سے آہ نکلی　　اتنے میں رات لے کر قندیلِ ماہ نکلی
مڑ کر جو میں نے دیکھا، امید مر چکی تھی　　پٹری چمک رہی تھی، گاڑی گزر چکی تھی

ساونؔ کے مہینے

فردوس بنائے مرے ساون کے مہینے — اک گل رخ دلنشیں مدن و سرو سہی نے

ماتھے یہ اِدھر کاکل ژولیدہ کی لہریں — گردوں پہ اُدھر ابر خراماں کے سفینے

مینہ جتنا برستا تھا سرِ دامنِ کہسار — اتنے ہی زمیں اپنی اگلتی تھی دفینے

اللہ رے یہ فرمان کہ اس مست ہوا میں — ہم منہ سے نہ بولیں گے اگر پی نہ کسی نے

وہ مونس و غمخوار تھا جس کے لیے برسوں — مانگی تھیں دعائیں مرے آغوشِ تہی نے

گل ریز تھے ساحل کے لچکتے ہوئے پودے — گل رنگ تھے تالاب کے ترتے ہوئے زینے

بارش تھی لگاتار تو یوں گرد تھی مفقود — جس طرح مئے ناب سے دھل جاتے ہیں سینے

دم بھر کو کبھی تھمتی تھیں اگر سرد ہوائیں — آتے تھے جوانی کو پسینے یہ پسینے ؛

بھردی تھی چٹانوں میں بھی غنچوں کی سی نرمی — اک فتنۂ کونین کی نازک بدنی نے

گیتی سے ابلتے تھے تمنا کے سلیقے ؛ — گردوں سے برستے تھے محبت کے قرینے

کیا دل کی تمناؤں کو مربوط کیا تھا — سرے پہ جھکتی ہوئی ساون کی جھڑی نے

بدلی تھی فلک پر کہ جنونِ خِیَر جوانی — بوندیں تھیں زمیں پر کہ انگوٹھی کے نگینے

شاخوں پہ پرندے تھے جھکتے ہوئے شہپر — نہروں میں بطیں اپنے ابھارے ہوئے سینے

اس فصل میں اس درجہ رہا بے خود و سرشار — میخانے سے باہر مجھے دیکھا نہ کسی نے

کیا لمحۂ فانی تھا کہ مڑ کر بھی نہ دیکھا — دی کتنی ہی آواز حیاتِ ابدی نے

چاند کے انتظار میں تارے

کس نے وعدہ کیا ہے آنے کا — حسن دیکھو غریب خانے کا!

روح کو آئینہ دکھاتے ہیں — در و دیوار مسکراتے ہیں؛

آج گھر "گھر" بنا ہے پہلی بار — دل میں ہے خوش سلیقگی بیدار

غرق ہے روح خوش جمالی میں — نظم ہے طبع لاابالی میں

جمع ساماں ہے عیش و عشرت کا — حرف دل میں فریبِ قسمت کا

سورِ قلب کلیم آنکھوں میں — اشک امید و بیم آنکھوں میں

چشم بر راہ شوق کے مارے — چاند کے انتظار میں تارے

رات کھیلی، شگفتہ بار ہوا — رنگ کلیوں میں آشکار ہوا

ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں میں مچلی — ہلکی ہلکی مہک چنبیلی کی؛

وعدہ صماں بن گیا جی کا — رنگِ امید ہو چلا پھیکا

اک جہاں چشم تر میں گرد ہوا — دل وہ دھڑکا کہ رنگ زرد ہوا

دفعتہً اک چمک سی دوڑ گئی — بام و در پر جھلک سی دوڑ گئی

دل میں چمکی امید کی بجلی — انگلیاں اور ہو گئیں ٹھنڈی

الاماں شوقِ دید کی یورش — بڑھ گئی اور خوں کی گردش

ایسی حدِّ وفا ہوئی محسوس — ان کی آوازِ پا ہوئی محسوس

چھا گئی بام و در پہ رعنائی — دل میں لی ولولوں نے انگڑائی

جل اٹھی شمع دل کے مجلس میں — صبح گویا ہوئی بنارس میں

فرطِ شادی سے بوکھلا سا گیا — دل میں احساس شادمانی کا

تار نظروں کے دم بہ دم کانپے — لڑکھڑائی زباں، قدم کانپے

نہ رہا سلسلہ وہ آہوں کا — رشتہ سمٹا مری نگاہوں کا

آئے وہ، اشک تھم گئے بارے — چاند نکلا، سبک ہوئے تارے

رنگ و نکہت



البیلی صبح

نظر جھکائے عروسِ فطرت جبیں سے زلفیں ہٹا رہی ہے
سحر کا تارا ہے زلزلے میں افق کی لو تھرتھرا رہی ہے
روش روش نغمۂ طرب ہے، چمن چمن جشنِ رنگ و بو ہے
طیور شاخوں پہ ہیں غزل خواں کلی کلی گنگنا رہی ہے
ستارۂ صبح کی رسیلی جھپکتی آنکھوں میں ہیں فسانے
نگارِ مہتاب کی نشیلی نگاہ جادو جگا رہی ہے
طیور بزمِ سحر کے مطرب، لچکتی شاخوں پہ گا رہے ہیں
نسیمِ فردوس کی سہیلی، گلوں کو جھولا جھلا رہی ہے
کلی پہ بیلے کی کس ادا سے پڑا ہے تبسم کا ایک موتی ،
نہیں یہ ہیرے کی کیل پہنے کوئی پری مسکرا رہی ہے
سحر کو مدِ نظر ہیں کتنی رعائتیں چشمِ خوں فشاں کی
ہوا بیاباں سے آنے والی، لہو میں سرخی بڑھا رہی ہے
شلوکا پہنے ہوئے گلابی، ہر اک سبک پنکھڑی چمن میں
رنگی ہوئی سرخ اوڑھنی کا، ہوا میں پلو سکھا رہی ہے
فلک پہ اس طرح چھپ رہے ہیں ہلال کے گرد و پیش تارے
کہ جیسے کوئی نئی نویلی جبیں سے افشاں چھڑا رہی ہے
کھٹک یہ کیوں دل میں ہو چلی پھر؟ چٹکتی کلیو! ذرا ٹھہرنا
ہوائے گلشن کی نرم رو میں یہ کس کی آواز آ رہی ہے

یومِ بہار

اے ہم نشیں! وہ جوشِ مئے ارغواں ہے آج
صہبا کی ایک بوند میں کون و مکاں ہے آج!

ہر غنچہ پر رقص کناں ہے بہ طرزِ نو
چشم و چراغ سلسلۂ قدسیاں ہے آج

جس پر نثار موجۂ تسنیم و سلسبیل
بکھری ہوئی وہ کاکلِ عنبر فشاں ہے آج

اللہ رے سیلِ نغمہ و طوفانِ رنگ و بو
موجِ ہوا میں جنبشِ نبضِ جواں ہے آج

شکر خدا کہ طرۂ طرفِ کلاہِ دوست
مشعل فروزِ مجلسِ روحانیاں ہے آج

پھر چہرۂ بشر پہ ہے رنگِ الوہیت
پھر فرشِ خاک پر سرِ کرّوبیاں ہے آج

اوجِ فلک پہ موجۂ ابرِ سبک خرام
صحنِ چمن میں جلوۂ سروِ رواں ہے آج

وہ دخترِ رز کہ تھی خمِ رنگیں میں معتکف
صد شکر صدرِ انجمنِ مے کشاں ہے آج

اف ری شمیم کاکلِ مست رنگ و بوئے عود
دوشِ صبا پہ دولتِ باغِ جناں ہے آج

مندروں کے ساتھ روحِ دو عالم ہے رقص میں
یوم طوافِ کعبۂ رطلِ گراں ہے آج

ہر آرزو کے فرق پہ کج ہے کلاہِ ناز
"عین الیقیں" بہشت کا وہم و گماں ہے آج

زیرِ نگیں زمیں ہے قبضے میں آسماں
آفاق پر حکومتِ پیرِ مغاں ہے آج

ہر خشک و تر میں گونج رہی ہیں حکایتیں
ہر ذرۂ حقیر کے منہ میں زباں ہے آج

رہ رہ کے اُڑ رہا ہے مسیح و خضر کا رنگ
کیا جانے کس لباس میں عمرِ رواں ہے آج

اے جوشؔ زلزلے میں ہے قصرِ تعینات
دل ماورائے قیدِ زمان و مکاں ہے آج

برسات کی چاندنی

چرخ پر برسے ہوئے بادل کے ٹکڑے جابجا
چاندنی، تالاب، سناٹا، پپیہے کی صدا؛

دشت پر چھائے ہوئے ذوقِ جنوں کے ولولے
چاند میں معصوم بچے کے تبسم کی ادا؛

فصلِ سرما میں سحر کو غسل کر چکنے کے بعد
رنگ ہو جیسے کسی معشوق کا نکھرا ہوا

سینۂ امواج میں سیال چاندی کی تڑپ
طاقِ گل میں قطرۂ شبنم کا چھوٹا سا دیا

نرم شاخوں کی لچک، سرشار ساحل کا سکوت
دشت کی خوشبو، فضا کی تازگی، ٹھنڈی ہوا

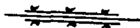
جانستاں کلیوں کے عقدے، نور سے سلجھے ہوئے
دلربا میداں کا دامن اوس میں ڈوبا ہوا

موجزن ہے اتصالِ ماہ و جوئے تند میں
وہ طرب کا دورِ کرب افزا، کہ تھا کھولا ہوا

موسمِ باراں کی رو میں چاند شفاف و رقیق
مینہ کے چھینٹوں کے اثر سے آسماں پگھلا ہوا

کانپتی لہروں سے اٹھتے ہیں نمو کے زمزمے
جھومتے پودوں سے آتی ہے جوانی کی صدا

لرزشِ صہبا میں جھلکے جس طرح نشے کی روح
چاند ہے اس طرح قلبِ آب میں ڈوبا ہوا

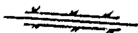


گھٹا

اٹھی گھٹا، وہ رنگ و بو کا کارواں لیے ہوئے — جلو میں کائنات کی جوانیاں لیے ہوئے
لیے ہوئے پیامِ جاں ہر ایک رس کی بوند میں — ہر ایک رس کی بوند میں پیامِ جاں لیے ہوئے
لیے ہوئے ہوا کے نرم بازوؤں پہ بوستاں — ہوا کے نرم بازوؤں پہ بوستاں لیے ہوئے
دھواں دھواں لیے ہوئے بلندیوں پہ چرخ کی — بلندیوں پہ چرخ کی دھواں دھواں لیے ہوئے
زمینِ تشنہ کام کی تباہیوں کے سامنے — شراب لالہ رنگ کی گلابیاں لیے ہوئے
وفورِ سوز و ساز میں ہجوم پیچ و تاب سے — رقیق و نرم دامنوں میں بجلیاں لیے ہوئے
ہر ایک سو رواں دواں کبھی یہاں کبھی وہاں! — بتاں شوخ و شنگ کی سی شوخیاں لیے ہوئے
صدائے برق و رعد میں، ہوائے تند و تیز میں — نزاعِ حسن و ہوش کی کہانیاں لیے ہوئے
ہوا میں اینڈتی ہوئی فضا میں جھومتی ہوئی — تخیل و تکیف کی تباہیاں لیے ہوئے
بہشتِ حسن و عشق کو، جہانِ رقص و کیف کو — فضائے آتش رنگ میں کتاں کتاں لیے ہوئے
حریمِ کیف سرخوشی میں، پردہ ہائے رنگ میں — سمو مدوش مہوشوں کی مستیاں لیے ہوئے
ادائے ناز و دلبری کی رنگ سیر چھاؤں میں — نئی نئی جوانیوں کی جھلکیاں لیے ہوئے
لیے ہوئے ہواؤں پر سیاہ و سرخ کشتیاں — ہوائے تند کشتیوں کے بادباں لیے ہوئے
لیے ہوئے بلندیوں پہ ولولے حیات کے — حیات بخش ولولے بلندیاں لیے ہوئے
سیاہیوں کے سلسلے میں، تیرگی کی موج میں — جنون فردوس کاکلوں کی داستاں لیے ہوئے
کدھر ہے جوش بدلیاں رواں ہیں سوئے میکدہ — سیاہیوں کے حاشیے پہ سرخیاں لیے ہوئے

شام کا رُومان

ہوائے شام جب بھرتی ہے ٹھنڈی سانس صحرا میں — مجھے ہر ایک پتی نوحہ خواں معلوم ہوتی ہے
فضائے نرم پر جس وقت چھا جاتا ہے سناٹا — مجھے جنبش میں ذرّوں کی زباں معلوم ہوتی ہے
سسکتی ہے مرے سے جب گھنے جنگل کے سائے میں — ہوائے سرد میری ہم زباں معلوم ہوتی ہے
بلند و پست و آب و رنگ جب کچھ بھی نہیں رہتا — یہ دنیا صرف اک وہم و گماں معلوم ہوتی ہے
ٹپک پڑتا ہے جب خورشید آنسو سے گردوں سے — لبِ جاں پر صدائے الاماں معلوم ہوتی ہے
دلِ وادی سے اٹھتا ہے دھواں جس وقت ہلکا سا — پہاڑوں کی بلندی سرگراں معلوم ہوتی ہے
چھپا لیتی ہے خشک و تر کو جب شام اپنے دامن میں — نشترِ روحِ عالم بدگماں معلوم ہوتی ہے
جھلک اٹھتا ہے جب پہلا ستارہ بامِ گردوں پر — کلیجے پر مجھے نوکِ سناں معلوم ہوتی ہے
فرازِ چرخ پر رہ رہ کے جب کوندا لپکتا ہے — اداسی کارواں در کارواں معلوم ہوتی ہے
شفق کو دیکھتے ہی وہ محبت جس کو جگ بیتا — مرے دکھتے ہوئے دل میں جواں معلوم ہوتی ہے
اندھیرے میں لبِ ساحل جو پودے تھرتھراتے ہیں — مجھے گیرائی فصلِ خزاں معلوم ہوتی ہے
رہیں دآسماں جب ظلمتوں میں ڈوب جاتے ہیں — حیاتِ نوعِ انساں رائیگاں معلوم ہوتی ہے
شفق کے ہر نفس اُڑتے ہوئے اوراقِ زریں میں — مجھے بے تابیِ عمرِ رواں معلوم ہوتی ہے
دیا کچھ فاصلے پر ٹمٹما اٹھتا ہے جب بن میں — سیاہی روشنی کی رازداں معلوم ہوتی ہے
تپائی ڈھال پر انگڑائی لیتا ہے اک افسانہ — ندی کے موڑ پر اک داستاں معلوم ہوتی ہے



گرمی اور دیہاتی بازار

دوپہر، بازار کا دن، گاؤں کی خلقت کا شور
خون کی پیاسی شعاعیں، روح فرسا لُو کا زور

آگ کی رَو، کاروبارِ زندگی کا پیچ و تاب
تند شعلے، سرخ ذرّے، گرم جھونکے، آفتاب

شور، ہل چل، غلغلہ، ہیجان، لُو، گرمی، بخار
بیل، گھوڑے، بکریاں، بھیڑیں قطار اندر قطار

مکھیوں کی بھنبھناہٹ، گرد کی لُو، مرچیوں کی دھانس
خربزے، آلو، کھلی، گیہوں، کدو، تربوز، گھانس

دھوپ کی شدّت، ہوا کی یورشیں، گرمی کی رَو
کملیوں پر سرخ چاول، ٹماٹر کے ٹکڑوں پہ جو

گرم دروں کے شدائد، جھگڑوں کی سختیاں
جھگڑوں میں کھانستے بوڑھوں کی چلموں کا دھواں

ماؤں کے کاندھوں پہ بچے گردنیں ڈالے ہوئے
بھوک کی آنکھوں کے تارے پیاس کے پالے ہوئے

بام و در لرزے ہوئے خورشید کے آفات سے
ہر نفس اک آنچ سی اٹھتی ہوئی ذرات سے

مرد و زن گردش میں چیلوں کی صدا سنتے ہوئے
چلچلاتی دھوپ کی رَو میں چنے بھنتے ہوئے

میاں سے موسم کی تیغ بے اماں نکلی ہوئی
پیاس سے انساں و حیواں کی زباں نکلی ہوئی

لُو کے مارے بام و در کی روح گھبرائی ہوئی
دوستوں کی شکل پر بیگانگی چھائی ہوئی

یوں شعاعیں سایۂ اشجار سے چھنتی ہوئی
بے مروت کی سپاٹ آنکھوں کی جیسے روشنی

آسماں پر ابر کے بھٹکے ہوئے ٹکڑوں کا رم
لٹنے میں ممسک کا جیسے وعدۂ جود و کرم

ہر روش پر چڑچڑاپن، ہر صدا میں تلخی
ہر جگر کھنتا ہوا، ہر کھوپڑی پکتی ہوئی

سر پہ کڑی دھوپ جیسے روح پر عکسِ گناہ
تیر کرنیں، جیسے بوڑھے سود خواروں کی نگاہ



رُباعیات



حقائق
حُسن و عشق
خمریات
پیرانِ سالوس

مُرثیہ
غمیں اور انقلابات

حقائق

دل رسم کے سانچے میں نہ ڈھالا ہم نے
اسلوبِ سخن کا نیا نکالا ہم نے!
ذرّات کو چھوڑ کر حریفوں کے لیے
خورشید پہ بڑھ کے ہاتھ ڈالا ہم نے

نومیدیٔ نظارۂ انوار بھی جہل
امیدِ شہود و شوقِ دیدار بھی جہل
اک قادرِ مطلق کا جہاں تک ہے سوال
"انکار" بھی جہل ہے اور "اقرار" بھی جہل

آزادیٔ فکر و درسِ حکمت ہے گناہ
دانا کے لیے نہیں کوئی جائے پناہ
اس اژدرِ تہذیب کے فرزندِ رشید
یہ "مذہب" "وقانون" عیاذاً باللہ

دنیا میں ہیں بے شمار آنے والے
آتے ہی رہیں گے روز جانے والے
عرفانِ حیات ہو مبارک تجھ کو!
اے شدّتِ غم پہ مسکرانے والے

کیا جانیے چہرہ زرد ہوتا کیوں ہے
دل رنج و الم سے سرد ہوتا کیوں ہے
وہ کہ اتنا بھی نہیں ہے معلوم
کانٹا چبھنے سے درد ہوتا کیوں ہے

خنجر ہے کوئی، تو تیغِ عریاں کوئی — سرصر ہے کوئی تو بادِ طوفاں کوئی
"انسان" کہاں ہے، کس گڑھے میں گم ہے — یاں تو کوئی "ہندو" ہے "مسلماں" کوئی

جھکتا ہوں کبھی ریگِ رواں کی جانب — اُڑتا ہوں کبھی کاہکشاں کی جانب
مجھ میں دو دل ہیں، اک تو مائل بہ زمیں — اور ایک کا رخ ہے آسماں کی جانب

آئے گا نہ جائے کب زمانہ ایسا! — آگے کئی صدیوں سے ہے ترانہ ایسا!
قدرت سے ملا ہے مجکو صد حیف یہ حکم — بہروں کو سنائے جا فسانہ ایسا!

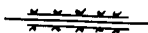
مرضی ہو تو سولی پہ چڑھانا یارب! — سو بار جہنم میں جلانا یارب!
معشوق کہیں "آپ ہمارے ہیں بزرگ" — ناچیز کو یہ دن نہ دکھانا یارب!

قدموں پہ مرے عرشِ معلیٰ بھی سہی — خورشید کی انجمن میں ذرہ بھی سہی
حوریں حاضر ہوئی ہیں مجرے کے لیے — اچھا حاضر کرو، یہ تقویٰ بھی سہی

اکثر انعام قہر بن جاتا ہے — یہ بحر، کثیف نہر بن جاتا ہے
وہ علم کہ اکسیر ہے انساں کے لیے — گر ہضم نہ ہو تو زہر بن جاتا ہے

زہی مردوں سے دل لگاؤں کیونکر — چلتی لاشوں کے پاس جاؤں کیونکر
محرم ہو تو لاکھ بار کرلوں برداشت — احمق کا مگر بار اٹھاؤں کیونکر؛

اک فتنہ ہے ناقصوں میں کامل ہونا — اک قہر ہے وابستۂ منزل ہونا
تاریخ کے اوراق جو الٹے تو کھلا — اک جرم ہے احمقوں میں عاقل ہونا



عشق وحُسن

افسوس یہ بس، یہ بدحواسی تیری — دل ہی نہیں روح بھی ہے پیاسی تیری
ہنستی ہے تو منہ اترنے لگتا ہے ترا — کس درجہ مکمل ہے اداسی تیری

پابندِ ہراس کیوں ہے؟ تیرے قرباں — آشفتہ حواس کیوں ہے؟ تیرے قرباں
تجھ پر تو ہے انبساطِ عالم کا مدار — تو اتنی اداس کیوں ہے؟ تیرے قرباں

ہے صبح افق سے جگمگانے والی — وعدے پہ ہے ان کے مسکرانے والی
جا پچھلے پہر کے چاند! ان سے کہہ دے — اس رات ہے دو گھڑی میں جانے والی

اے رونقِ لالہ زار، واپس آجا　　اے دولتِ برگ و بار واپس آجا
ایسے میں کہ نو بہار ہے حلقہ بدوش　　اے نازشِ نو بہار واپس آجا

ٹپکاتی ہوئی گھٹا جب آنسو آئی　　فرقت کا جگاتی ہوئی جادو آئی
ہلکا ہلکا دھواں کلیجے سے اٹھا　　سوندھی سوندھی زمیں سے خوشبو آئی

ناگن بن کر مجھے نہ ڈسنا بادل!　　باراں کی کسوٹی پہ نہ کسنا بادل!
وہ پہلے پہل جدا ہوئے ہیں مجھ سے　　اس دیس میں اب کی نہ برسنا بادل

چھلکا ہے کوئی نگار، الٰہی توبہ!　　رس میں ڈوبا خمار، الٰہی توبہ
سکتے میں ہیں بکھیر دیں کی تانیں گویا　　ہونٹوں کا خفیف ابھار، الٰہی توبہ
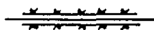
جانے والے قمر کو روکے کوئی　　شب کے پیک سفر کو روکے کوئی
تھک کر مرے زانو پہ وہ سویا ہے ابھی　　روکے، روکے، سحر کو روکے کوئی

کیا آج تعارف میں لجایا کوئی　　کیا جانیے کیوں سنبھل نہ پایا کوئی
میں نے جو کہا "جوش مجھے کہتے ہیں"　　آنکھوں کو جھکا کے مسکرایا کوئی

اے پھول، صبا ہمیشہ مہکائے تجھے | اے چاند کبھی گھٹا نہ سنولائے تجھے
اس نیند بھرے لوچ سے للّٰہ نہ چل | ڈرتا ہوں کہیں نظر نہ لگ جائے تجھے

جلتے دل کو ٹٹول، دھیرے دھیرے | اگنی مندر کو کھول دھیرے دھیرے
برہا میں رس رہی ہے پاپی برکھا | کلموئی کوئلیا بول دھیرے دھیرے

تیار ہوں آپ، کم نگاہی کے لیے! | آمادہ ہوں اور میری تباہی کے لیے!!
میں نے حضرت سے کل جو کی تھی بیکی | آج آیا ہوں اس کی عذرخواہی کے لیے



خمریات

ہشیار کہ آفتاب ہونا ہے تجھے | پیغمبرِ انقلاب ہونا ہے تجھے
ہر صبح کو آتی ہے یہ ساقی کی صدا | بیدار کہ خود شراب ہونا ہے تجھے

کیا تسبیح ملے گا گل فشانی کر کے؛ | کیا پائے گا توہینِ جوانی کر کے؟
تو آتشِ دوزخ سے ڈراتا ہے انہیں! | جو آگ کو پی جاتے ہیں پانی کر کے!
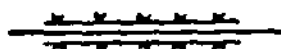
جھومی تاریک رات میرے دل میں — بدمست ہوئی حیات میرے دل میں
ساقی نے سبو دے کے اٹھایا جو رباب — گم ہو گئی کائنات میرے دل میں!

ممنوع ثمر سے لطفِ پیہم لینے — عصیاں کی گھنی چھاؤں میں پھر دم لینے
آواز دو کاشمیر آپہنچا جو حس — اللہ سے انتقامِ آدم لینے

یہ رات گئے عیش طرب کے ہنگام! — پرتو یہ پڑا ایستت سے کس کا سرِ عام
"یہ کون ہے؟" "جبریل ہوں" "کیوں آئے ہو؟" — "سرکارِ فلک کے نام کوئی پیغام؟"

اے خوابِ شاہی ہے باغِ رضواں — حوروں کا کہیں پتہ نہ غلماں کا نشاں
اک کنج میں خاموش و ملول و تنہا — بے چارے ٹہل رہے ہیں اللہ میاں

اب مطربِ وقت کا ترانہ ہے کچھ اور — بدلی ہوئی دنیا کا فسانہ ہے کچھ اور
ہاں نازکیٔ طبع کی روکے ہوئے باگ — تسخیرِ حسن خاں یہ زمانہ ہے کچھ اور
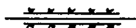


پیرانِ سالوس

ہم دیکھ کے مہوشوں کو کیا کہتے ہیں؟ — اتنا ہی کہ بس "صلِ علیٰ" کہتے ہیں
لیکن یہ غلامِ زر بہ ایں ریشِ دراز — موقع ہو تو ہرت کو "خدا" کہتے ہیں

ہر رنگ میں ابلیس سزا دیتا ہے — انساں کو بہر طور دغا دیتا ہے
کر سکتے نہیں گنہ جو احمق اُن کو — بے روح نمازوں میں لگا دیتا ہے

کیا شیخ کی خشک زندگانی گزری — بے چارے کی اک شب نہ سہانی گزری
دوزخ کے تخیل میں بڑھاپا بیتا — جنت کی دعاؤں میں جوانی گزری



حسین اور انقلاب

(۱)

ہمراز یہ فسانۂ آہ و فغاں نہ پوچھ
دو دن کی زندگی کا غم ایسا دآں نہ پوچھ
کیا کیا حیاتِ دہر کی ہیں تلخیاں نہ پوچھ
کس درجہ ہولناک ہے یہ داستاں نہ پوچھ
تفصیل سے کہوں تو فلک کانپنے لگے
روح بھی فرطِ ترس سے منہ ڈھانپنے لگے

(۲)

دنیا کی ہر خوشی ہے غم و درد سے دوچار
ہر قہقہے کی گونج میں ہے چشمِ اشکبار
کیا چارہ جو کہ وہ تو ہیں معتوبِ روزگار
نسرین و نسترن میں بھی پنہاں ہے نوکِ خار
لمحے ہیں جنبشِ دلِ مضطر لیے ہوئے
گل رگ تک ہے لرزشِ خنجر لیے ہوئے

(۳)

یارانِ سرفروش و نگارانِ مہ جبیں
آبِ نشاط و لعلِ لب و زلفِ عنبریں
کوئے مغاں و بوئے گل و روئے دل نشیں
زور و زر و ذکاوت و دہن درر وریں
جو شے بھی ہے وہ درد کا پہلو لیے ہوئے
ہر گوہرِ نشاط ہے آنسو لیے ہوئے

بیگانۂ حدود ہے انساں کی آرزو ‏ پیچیدہ ہر نظر میں ہے اک تازہ جستجو
تھمتی نہیں کہیں بھی تمنائے برق خو ④ ساقی کا وہ کرم ہے کہ بھرتا نہیں سبو
ارماں کی شاہراہ میں منزل نہیں کوئی
اس بحرِ بے کنار کا ساحل نہیں کوئی

اس لیلیٔ حیات کی اللہ ری دار و گیر ‏ ہر لوچ اک کماں ہے ہر ناز اک تیر
اِس کے کرم میں بھی وہ حرارت ہے ہم صفیر ⑤ جس کے مقابلے میں جہنم ہے زمہریر
الجھے جو اس کے گیسوئے پیچاں کے جال میں
لگ جائے آگ دامنِ قطبِ شمال میں

امراض سے کسی کا بڑھاپا ہے اک وبال ‏ آلام سے کسی کی جوانی ہے پائمال
اِس کو ہے خوفِ سنگ، اُسے نام کا خیال ⑥ زرری سے کوئی تنگ کوئی عشق سے نڈھال
ہر سانس ہے نوید عذابِ عظیم کی
گھبرا کے دو دہائی خدائے رحیم کی

اس خوں چکاں حیات کے آلام کیا کہوں ‏ قدرت نہیں فسانۂ ایام کیا کہوں
دارائے کائنات کے انعام کیا کہوں ⑦ یہ داستانِ مرحمتِ عام کیا کہوں
کہہ دوں تو دل سے خون کا چشمہ ابل پڑے
اور چپ رہوں تو منہ سے کلیجہ نکل پڑے

نوعِ بشر پہ ہے جو عقوبت نہ پوچھیے ⑧ سفاک زندگی کی شقاوت نہ پوچھیے
حورِ حیات و حسنِ مشیت نہ پوچھیے کتنا رقیق ہے دلِ قدرت نہ پوچھیے
سو سال اگر خزاں کے تو دو دن بہار کے
قرباں ہجوم رحمتِ پروردگار کے

یوں تو غمِ معاش کا سوزِ نہاں ہے اور تکلیفِ جاں گدازیٔ عشقِ بتاں ہے اور
لب تشنگیٔ تیسۂ عذابِ خزاں ہے اور ⑨ اعلانِ امرِ حق کی مگر داستاں ہے اور
"گفتارِ صدق مایۂ آزار می شود؛
چوں حرفِ حق بلند شود دار می شود" (صائب)

ہاں اس بلا سے کوئی بلا بھی بڑی نہیں کیا اس کو علم جس پہ یہ بپتا پڑی نہیں
کتنوں کی اس کے لات سہی اکثر گڑی نہیں ⑩ اعلانِ امرِ حق سے کوئی شے کڑی نہیں
لے حرم خود کو جرم میں جو راندہ لے وہ آئے
اس راہ میں جو سر سے کفن باندھ لے وہ آئے

تکلیفِ رُشد و کاہشِ سیلِ الاماں یہ دائرہ ہے دائرۂ مرگِ ناگہاں
پیہم یہاں سروں پہ کڑکتی ہیں کلیاں ⑪ بارِ الم سے بولنے لگتے ہیں استخواں
ہر گام پر حیات کے چہرے کو دق کرے
مرنا جو چاہتا ہو وہ اعلانِ حق کرے

کیسے کوئی عزیز روایات چھوڑ دے — کچھ کھیل ہے کہ کہنہ حکایات چھوڑ دے
(۱۲)
گھٹی میں تھے جو حل وہ خیالات چھوڑ دے — ماں کا مزاج، باپ کے عادات چھوڑ دے

کس میں ہے کوئی رشتۂ اوہام توڑ دے

ورثے میں جو ملے ہیں وہ اصنام توڑ دے

اوہام کا رباب، قدامت کا ارغنوں — فرسودگی کا سحر، روایات کا فسوں
(۱۳)
اقوال کا مراق، حکایات کا جنوں — رسم و رواج و صحت و میراث نسل و خوں

افسوس یہ وہ حلقۂ دام خیال ہے

جس سے بڑے بڑوں کا نکلنا محال ہے

اس بزم ساحری میں جہالت کا ذکر کیا — خود علم کے حواس بھی رہتے نہیں بجا
(۱۴)
اوہام سب دلوں میں بناتے ہیں دائرا — عقلوں کو سوجھتا ہی نہیں قفس کے سوا

تاریخ جھومتی ہے فسانوں کے غول میں

بوڑھے بھی ناچتے ہیں جوانوں کے غول میں

جس دائرے میں قصرِ قدامت کا ہو طواف — جدت کے جرم کو کوئی کرتا نہ ہو معاف
(۱۵)
بگڑے ہوئے رسوم کا ذہنوں پہ ہو غلاف — آواز کوں اٹھائے وہاں جہل کے خلاف

آواز اٹھائے موت کی جو آرزو کرے

ورنہ مجال ہے کہ یہاں گفتگو کرے

ہوتا ہے جو سماج میں جویائے انقلاب ملتا ہے اس کو مرتد و زندیق کا خطاب

(۱۶)

پہلے تو اس کو آنکھ دکھاتے ہیں شیخ و شاب اس پر بھی وہ نہ چپ ہو تو پھر قوم کا عتاب

بڑھتا ہے ظلم و جور کے تیور لیے ہوئے

تشنیع و طعن و دشنہ و خنجر لیے ہوئے

اٹھتا ہے غلغلہ کہ یہ زندیقِ نامراد کج فکر و کج نگاہ و کج اخلاق و کج نہاد

(۱۷)

پھیلا رہا ہے عالمِ اخلاق میں فساد اے صاحبانِ جذبۂ دیرینۂ جہاد

ہاں جلد اٹھو تباہیٔ باطل کے واسطے

جنت ہے ایسے شخص کے قاتل کے واسطے

اور بالخصوص جب ہو حکومت کا سامنا رعب و شکوہ و جاہ و جلالت کا سامنا

(۱۸)

شاہانِ کج کلاہ کی ہیبت کا سامنا قرناؤ طبل و ناوک و رایت کا سامنا

لاکھوں میں ہے وہ ایک کروڑوں میں فرد ہے

اس وقت جو ثبات دکھائے وہ مرد ہے

اور بالخصوص بند ہو جب ہر درِ نجات حق تشنہ لب ہو دشت میں، باطل لبِ فرات

(۱۹)

دستِ اجل میں ہو رسن و فرسنگ کی رات حائل ہو مرگ و زیست میں لے دے کے ایک رات

یہ وہ گھڑی ہے کانپ اٹھے شیرِ نر کا دل

اس تہلکے کو چاہیے فوق البشر کا دل

کیسے کوئی عزیز روایات چھوڑ دے — کچھ کھیل ہے کہ کہنہ حکایات چھوڑ دے
گھٹی میں تھے جو حل وہ خیالات چھوڑ دے — (۱۲) ماں کا مزاج، باپ کے عادات چھوڑ دے

کس میں ہے کوئی رشتۂ اوہام توڑ دے
ورثے میں جو ملے ہیں وہ اصنام توڑ دے

اوہام کا رباب، قدامت کا ارغنوں — فرسودگی کا سحر، روایات کا فسوں
اقوال کا مراق، حکایات کا جنوں — (۱۳) رسم و رواج و صحبت و میراث و نسل و خوں

افسوس یہ وہ حلقۂ دامِ خیال ہے
جس سے بڑے بڑوں کا نکلنا محال ہے

اس بزمِ ساحری میں جہالت کا ذکر کیا — خود علم کے حواس بھی رہتے نہیں بجا
اوہام جب دلوں میں بجاتے ہیں دائرہ — (۱۴) عقلوں کو سوجھتا ہی نہیں رقص کے سوا

تاریخ جھومتی ہے فسانوں کے غول میں
بوڑھے بھی ناچتے ہیں جوانوں کے غول میں

جس دائرے میں قصرِ قدامت کا ہو طواف — جدت کے جرم کو کوئی کرتا نہ ہو معاف
بگڑے ہوئے رسوم کا ذہنوں پہ ہو غلاف — (۱۵) آواز کون اٹھائے وہاں جہل کے خلاف

آواز اٹھائے موت کی جو آرزو کرے
ورنہ مجال ہے کہ یہاں گفتگو کرے

وہ کربلا کی رات وہ ظلمت ڈراؤنی — وہ مرگ بے پناہ کے سائے میں زندگی
(۲۰)
خیموں کے گرد دیتیں وہ پرہول خامشی — خاموشیوں میں دور سے وہ چاپ موت کی

تھی پشت وقت بار الم سے جھکی ہوئی
ارض و سما کی سانس تھی گویا رکی ہوئی

وہ اہل حق کی تشنہ دہاں مختصر سپاہ — باطل کا وہ ہجوم کہ اللہ کی پناہ
(۲۱)
وہ ظلمتوں کے دام میں زہرا کے مہر و ماہ — تارے وہ فرط غم سے جھکائے ہوئے نگاہ

وہ دل بجھے ہوئے وہ ہوائیں تھمی ہوئی
وہ اک بہن کی بھائی پہ نظریں جمی ہوئی

لبریز زہر جور سے وہ دشت کا ایاغ — دکھتے ہوئے وہ دل وہ تپکتے ہوئے دماغ
(۲۲)
آنکھوں کی پتلیوں سے عیاں وہ دلوں کے داغ — پرہول ظلمتوں میں وہ سہمے ہوئے چراغ

بکھرے ہوئے ہوا میں وہ گیسو رسولؐ کے
تاروں کی روشنی میں وہ آنسو بتولؑ کے

وہ رات وہ فرات وہ موجوں کا خلفشار — عابد کی کروٹوں پہ وہ بیچارگی کا بار
(۲۳)
وہ زلزلوں کی زد پہ خواتیں کا وقار — اصغر کا پیچ و تاب وہ جھولے میں بار بار

اصغر میں پیچ و تاب نہ تھا اضطراب کا
وہ دل دھڑک رہا تھا رسالت مآب کا

وہ رات جب امام کی گونجی تھی یہ صدا — اے دوستانِ صادق و یارانِ باصفا
باقی نہیں رہا ہے کوئی اور مرحلہ (۲۴) اب سامنا ہے موت کا اور صرف موت کا
کٹنے ہی پر بلائیں ہیں اب تحت و فوق سے
جانا جو چاہتا ہے چلا جائے شوق سے

اور سنتے ہی یہ بات بصد کرب و اضطراب — شبیر کو دیا تھا یہ انصار نے جواب
دیکھیں جو ہم یہ خواب کبھی اے ابوتراب (۲۵) واللہ ڈوب شرم سے ہو جائیں آب آب
قرباں نہ ہو جو آپ سے والا صفات پر
لعنت اس امن و عیش پہ تف اس حیات پر

کیا آپ کا خیال ہے یہ شاہِ ذی حشم — ہم ہیں اسیرِ سود و زیاں صیدِ کیف و کم
خود دیکھ لیجیے گا کہ گاڑیں گے جب قدم (۲۶) ہٹنا تو کیا ہلیں گے نہ دشتِ وغا سے ہم
پتلے ہیں ہم حدید کے، پیکر ہیں سنگ کے
انساں نہیں پہاڑ ہیں میدانِ جنگ کے

ہاں ہاں وہ رات دہشت و بیم و رجا کی رات — افسونِ جاں کنی و طلسمِ قضا کی رات
لب تشنگانِ ذریتِ مصطفےٰ کی رات (۲۷) جو حشر سے عظیم تھی وہ کربلا کی رات
شبیر نے حیات کا عنواں سنا دیا
اس رات کو بھی مہرِ درخشاں بنا دیا

(۲۸)

تاریخ دے رہی ہے یہ آواز دم بدم — دشتِ ثبات و عزم ہے دشتِ بلا و غم
صبرِ مسیح و جرأتِ سقراط کی قسم — اس راہ میں ہے صرف اک انساں کا قدم
جس کی رگوں میں آتشِ بدر و حنین ہے
جس سورما کا اسمِ گرامی حسین ہے

(۲۹)

جو صاحبِ مزاجِ نبوت تھا وہ حسین — جو وارثِ ضمیرِ رسالت تھا وہ حسین
جو خلوتیِ شاہدِ قدرت تھا وہ حسین — جس کا وجود فخرِ مشیت تھا وہ حسین
سانچے میں ڈھالنے کے لیے کائنات کو
جو تولتا تھا نوکِ مژہ پر حیات کو

(۳۰)

جو اک نشانِ تشنہ دہانی تھا وہ حسین — گیتی پہ عرش کی جو نشانی تھا وہ حسین
جو خلد کا امیرِ جوانی تھا وہ حسین — جو اک سنِ جدید کا بانی تھا وہ حسین
جس کا لہو تلاطمِ پنہاں لیے ہوئے
ہر بوند میں تھا نوح کا طوفاں لیے ہوئے

(۳۱)

جو کاروانِ عزم کا رہبر تھا وہ حسین — خود اپنے خون کا جو شناور تھا وہ حسین
اک دینِ تازہ کا جو پیمبر تھا وہ حسین — جو کربلا کا داورِ محشر تھا وہ حسین
جس کی نظر پہ شیوۂ حق کا مدار تھا
جو روحِ انقلاب کا پروردگار تھا

ہاں اب بھی جو منارۂ عظمت ہے وہ حسین — حق کی نگاہ مرگِ حکومت ہے وہ حسین

(۳۲)

اب بھی جو محوِ درسِ بغاوت ہے وہ حسین[1] — آدم کی جو دلیلِ شرافت ہے وہ حسین

واحد جو اک نمونہ ہے ذبحِ عظیم کا

شاہد ہے جو خدا کے مذاقِ سلیم کا

ہاں وہ حسین حق کا ابد آشنا ثبات — کہتا ہے گاہ گاہ حکیموں سے بھی یہ بات

(۳۳)

یعنی ورید پردۂ صد رنگِ کائنات — اک کارساز ذہن ہے اک ذی شعور ذات

سجدوں سے کھینچتا ہے جو مسجود کی طرف

تنہا جو اک اشارہ ہے معبود کی طرف

حق کا وجود عدل و مساوات کی مراد — جو کردگارِ امن تھا پیغمبرِ جہاد

(۳۴)

تحلیلِ زندگی میں لیے رفعِ ہر فساد — قدرت کی اک امانتِ زریں حق کی ذات

سوزاں ہے قلبِ خاک جو جوں میں سے

اک لَو نکل رہی ہے ابھی تک زمیں سے

عزت پہ جس نے سر کو فدا کر کے دم لیا — صدق و منافقت کو جدا کر کے دم لیا

(۳۵)

حق کو ابد کا تاج عطا کر کے دم لیا — جس نے یزیدیت کو فنا کر کے دم لیا

فتنوں کو جس پہ ناز تھا وہ دل بجھا دیا

جس نے چراغِ دولتِ باطل بجھا دیا

---

[1] حکومتِ باطل سے بغاوت کرنا بہت بڑی عبادت ہے۔

(٣٦)

عالم میں ہو چکا ہے مسلسل یہ تجربہ
قوت ہی زندگی کی رہی ہے گرہ کشا
سر ضعف کا ہمیشہ رہا ہے جھکا ہوا
ناطاقتی کی موت ہے طاقت کا سامنا

طاقت سی شے مگر خجل و بدنصیب تھی
ناطاقتی حسین کی کتنی عجیب تھی

(٣٧)

طاقت سی تتے کو خاک میں جس نے ملا دیا
تختہ الٹ کے قصرِ حکومت کو ڈھا دیا
جس نے ہوا پہ رعبِ امارت اڑا دیا
ٹھوکر سے جس نے افسرِ شاہی گرا دیا

اس طرح جس سے ظلم سیہ فام ہو گیا
لفظِ یزید داخلِ دشنام ہو گیا

(٣٨)

پانی سے تین روز ہوئے جس کے لب نہ تر
تیغ و تبر کو سونپ دیا جس نے گھر کا گھر
جو مر گیا ضمیر کی عزت کے نام پر
ذلت کے آستاں پہ جھکایا مگر نہ سر

لی جس نے سانس رشتۂ شاہی کو توڑ کر
جس نے کلائی موت کی رکھ دی مروڑ کر

(٣٩)

جس کی جبیں پہ کج ہے خود اپنے لہو کا تاج
جو مرگ و زندگی کا ہے اک طرفہ امتزاج
سر دے دیا مگر نہ دیا ظلم کو خراج
جس کے لہو نے رکھ لی تمام انبیا کی لاج

سنتا نہ کوئی دہر میں صدق و صفا کی بات
جس مردِ سرفروش نے رکھ لی خدا کی بات

ہر چند اہلِ جور نے چاہا یہ بارہا ہو جائے محو یادِ شہیدانِ کربلا
باقی رہے نہ نام زمیں پر حسین کا (۴۰) لیکن کسی کا زور عزیزو نہ چل سکا
عباس نامور کے لہو سے دھلا ہوا
اب بھی حسینیت کا علم ہے کھلا ہوا

یہ صبحِ انقلاب کی جو آج کل ہے ضَو یہ جو مچل رہی ہے صبا پھٹ رہی ہے پَو
یہ جو چراغ ظلم کی تھرا رہی ہے لَو (۴۱) در پردہ یہ حسین کے انفاس کی ہے رَو
حق کے چھڑے ہوئے ہیں جو یہ ساز دوستو
یہ بھی اُسی جری کی ہے آواز دوستو

جس کا ہجوم درد و الم سے یہ حال تھا سینہ تھا پاش پاش جگر پائمال تھا
رخ پر تھا تشنگی کا دھواں، دل نڈھال تھا (۴۲) اس کرب میں بھی جس کو فقط یہ خیال تھا
آتش برس رہی ہے تو برسے خیام پر
آنے نہ پائے آنچ مگر حق کے نام پر

ہر چند ایک شاخ چمن میں ہری نہ تھی ماتھا عرق عرق تھا، لبوں پر تری نہ تھی
باطل کی ان بلاؤں پہ بھی چاکری نہ تھی (۴۳) یہ داوری تھی اصل میں پیغمبری نہ تھی
رنگ اڑ گیا حکومتِ بدعت شعار کا
عزمِ حسین عزم تھا پروردگار کا

(۴۴)

تھی جس کے دوشِ پاک پہ اہلِ ولا کی لاش — انصارِ سرفروش کی لاش، اقربا کی لاش
عباس سے مجاہدِ تیغ آزما کی لاش — قاسم سے شاہزادۂ گلگوں قبا کی لاش
پھر بھی یہ دھن تھی صبر کی زلفوں سے بل نہ جائے
اس خوف سے کہ حق کا جنازہ نکل نہ جائے

(۴۵)

زار و نزار و تشنہ و مجروح و ناتواں — تنہا کھڑا ہوا تھا جو لاکھوں کے درمیاں
گھیرے تھے جس کو تیر و تبر ناوک و سناں — اور سو رہا تھا موت کے بستر پہ کارواں
اتنا نہ تھا کہ حقِ رفاقت سے کام لے
گرنے لگیں اگر تو کوئی بڑھ کے تھام لے

(۴۶)

ہاں وہ حسین خستہ و مجروح و ناتواں — ساکت کھڑا ہوا تھا جو لاشوں کے درمیاں
سنتا رہا سکون سے جو پیرِ نیم جاں — اکبر سے ماہ رو کی جوانی کی ہچکیاں
ہے ہے کی آ رہی تھی صدا کائنات سے
پھر بھی قدم ہٹائے نہ راہِ ثبات سے

(۴۷)

ہاں اے حسین تشنہ و رنجور السلام — اے میہمانِ عرصۂ بے نور السلام
اے شمعِ حلقۂ شبِ عاشور السلام — اے سینۂ حیات کے ناسور السلام
اے ساحلِ فرات کے پیاسے ترے نثار
اے آخری نبی کے نواسے ترے نثار

ہاں اے حسین بے کس و ناچار السلام — اے کشتگانِ عشق کے سردار السلام
اے سوگوارِ یاور و انصار السلام (۴۸) اے کاروانِ مردہ کے سالار السلام
افسوس اے وطن سے نکالے ہوئے حسین
اے فاطمہ کی گود کے پالے ہوئے حسین

تو اور تیرے حلق پہ تلوار ہائے ہائے — زنجیر اور عابدِ بیمار ہائے ہائے
زینب کا سر کھلے سرِ بازار ہائے ہائے (۴۹) سر تیرا اور یزید کا دربار ہائے ہائے
انساں اس طرح اتر آئے عناد پر
لعنت خدا کی حشر تک ابن زیاد پر

تجھ سا شہید کون ہے عالم میں اے حسین — تو ہے ہر ایک دیدۂ پرنم میں اے حسین
زہاد ہی نہیں ہیں ترے غم میں اے حسین (۵۰) ہم رند بھی ہیں حلقۂ ماتم میں اے حسین
آزاد جو خیال میں ہیں اور کلام میں
وہ بھی اسیر ہیں تری زلفوں کے دام میں

یوں تو ورق سیہ ہے تاریخ روزگار — دولت ہے بے حساب جواہر ہیں بیشمار
لیکن ترا وجود ہے اے مردِ حق شعار (۵۱) عزمِ بشر کی واحد و بے مثل یادگار
تکتا ہے تجھ کو وقتِ جہاں سوز دور سے
[illegible] سپہ سیں و تہور سے

ہیں یئے تفسیرِ رنگ و بو　　یوں تو ہے ہر روش یہ اک انبارِ گفتگو
(۵۲)
بتِ حکیماں رازِ جو　　عالم میں صرف اک سخنِ گفتنی ہے تو

مردانگی کے طُور کا تنہا کلیم ہے

تو سینۂ حیات کا قلبِ سلیم ہے

اے رہبرِ خجستہ وائے ہادئ غیور　　تو حافظے کا ناز ہے، تاریخ کا غرور
(۵۳)
اب بھی ترے نشانِ قدم سے ہے وہ سرور　　لوحِ حسینِ وقت پہ غلطاں ہے موجِ نور

تو ہے وہ مہر دفترِ عزم و ثبات پر

اب تک چمک رہی ہے جبینِ حیات پر

ہاں اے حسین ابنِ علی رہبرِ انام　　اے مسرِ خودی کے حیات آفریں پیام
(۵۴)
اے نطق زندگی کے مقدس تریں نام　　اے چرخِ انقلاب کے ابرِ رواں خرام

غازہ ہے تیرا خون رخِ کائنات کا

ہر قطرہ کوہِ نور ہے تاجِ حیات کا

جس بحرِ ظلم و جور کے گرداب میں تھا تو　　نازل پہاڑ پر ہو تو بس جائے آبِ جو
(۵۵)
سینے میں ابر کے نہ رہے روحِ رنگ و بو　　آہن کے جوہروں سے ٹپکنے لگے لہو

بیچ تک رنگِ آتشِ دوزخ دہک پڑے

ماتھے سے آگ کے بھی پسینہ ٹپک پڑے

(۵۶)

اے خنجرِ برہنہ واے تیغِ بے نیام — اے حق نواز امیرِ نبوت بدوش امام

اے تیرگی کی بزم میں خورشید کے پیام — اے آسمانِ درسِ عمل کے مہِ تمام

رہتی ردائے شام کی ظلمت ہی دین پر

ہوتا نہ تُو تو صبح نہ ہوتی زمین پر

(۵۷)

پھر حق ہے آفتابِ لبِ بام اے حسیں — پھر بزمِ آب و گِل میں ہے کہرام اے حسیں

پھر زندگی ہے سست و سبک گام اے حسین — پھر حُرّیت ہے موردِ الزام اے حسیں

ذوقِ فساد و ولولۂ شر لیے ہوئے

پھر عصرِ نو کے شمر ہیں خنجر لیے ہوئے

(۵۸)

ہاں خاتمِ حیاتِ ابد کا نگیں ہے تو — گردونِ گیر و دار کا مہرِ مبیں ہے تو

اک زندہ حدِّ فاصلِ دنیا و دیں ہے تو — کونین کا تخیّلِ عہد آفریں ہے تو

پھر دشتِ جنگ کو ہے ترا انتظار اٹھ

اٹھ روزگارِ تارہ کے پروردگار اٹھ

(۵۹)

مجروح پھر ہے عدل و مساوات کا شعار — اس بیسویں صدی میں ہے پھر طرفہ انتشار

پھر نائب یزید ہیں دنیا کے شہریار — پھر کربلائے نو سے ہے نوعِ بشر دوچار

اے زندگی جلالِ شہِ مشرقیں دے

اس تازہ کربلا کو بھی عزمِ حسیں دے

(۶۰)

پھر گرم ہے فساد کا بازار دوستو — سرمایہ پھر ہے برسرِ آزار دوستو
تا کے یہ خوفِ اندک و بسیار دوستو — تلوار، ہاں اُٹھی ہوئی تلوار دوستو

جو تیر تر ہو خونِ امارت کو چاٹ کر
رکھ دے جو سیم و زر کے پہاڑوں کو کاٹ کر

(۶۱)

بل کھا رہے ہیں دہر میں پھر سیم و زر کے ناگ — گونجے ہوئے ہیں گنبدِ گرداں میں غم کے راگ
پھر موت رخشِ زیست کی تھامے ہوئے ہے باگ — تا آسماں بلند ہو اے زندگی کی آگ

فتنے کو اپنی آنچ کے جھولے میں جھونک دے
ہاں پھونک دے قبائے امارت کو پھونک دے

(۶۲)

اے دوستو فرات کے پانی کا واسطہ — آلِ نبی کی تشنہ دہانی کا واسطہ
شبیر کے لہو کی روانی کا واسطہ — اکبر کی ناتمام جوانی کا واسطہ

بڑھتی ہوئی جواں امنگوں سے کام لو
ہاں تھام لو حسین کے دامن کو تھام لو

(۶۳)

آئینِ کشمکش سے ہے دنیا کی زیب و زیں — ہر گام ایک بدر ہو ہر سانس اک حنین
بڑھتے رہو یوں ہی پئے تسخیرِ مشرقین — سینوں میں بجلیاں ہوں رباؤں پہ یا حسین

تم حیدری ہو سینۂ اژدر کو پھاڑ دو
اس خیبرِ جدید کا در بھی اکھاڑ دو

(۶۴)

جاری رہے کچھ اور یونہی کاوشِ ستیز — ہر وار لے پناہ ہو ہر ضرب لرزہ خیز
وہ فوجِ ظلم و جور ہوئی مائلِ گریز — اے جوش اور گرم ہو، لے نبض اور تیز

عفریتِ ظلم کانپ رہا ہے اماں نہ پائے
دیوِ فساد کانپ رہا ہے اماں نہ پائے

تاخیر کا یہ وقت نہیں ہے دلاورو ۔۔ آواز دے رہا ہے زمانہ بڑھو بڑھو
ایسے میں بازہ پر ہے جوانی بڑھے چلو (۶۵) گرجو مثالِ رعد گرج کر برس پڑو
ہاں زخم خوردہ شیر کی ڈھکار دوستو
جھنکار، ذوالفقار کی جھنکار دوستو!

اے حاملانِ آتشِ سوزاں بڑھے چلو ۔۔ اے پیروانِ شاہِ شہیداں بڑھے چلو
اے خاتمانِ صرصر وطوفاں بڑھے چلو (۶۶) اے صاحبانِ ہمتِ یزداں بڑھے چلو
تلوار شمرِ عصر کے سینے میں گھونک دو
ہاں جھونک دو یزید کو دوزخ میں جھونک دو

دیکھو وہ ختم ظلم کی حد ہے بڑھے چلو ۔۔ اپنا ہی خود یہ وقتِ مدد ہے بڑھے چلو
بڑھنے میں عزتِ اب وجد ہے بڑھے چلو (۶۷) وہ سامنے حیاتِ ابد ہے بڑھے چلو
الٹے رہو کچھ اور یونہی آستین کو
الٹی ہے آستیں تو پلٹ دو زمیں کو

(۶۸)
اے جانشینِ حیدرِ کرار۔۔۔ المدد
اے منچلوں کے قافلہ سالار المدد
اے امرِ حق کی گرمئ بازار المدد
اے حسنِ زندگی کے خریدار المدد

دنیا تری نظیرِ شہادت لیے ہوئے
اس تک کھڑی ہے شمعِ ہدایت لیے ہوئے

افکارِ تازہ



مناجات

کھوکھلے دعوے

کیا گل بدلی ہے

آگ

لافانی حروف

خطاب بصدرِ پاکستان

تلاشی

مرثیہ عظمتِ قلم

مُناجات

یہ پھیلا ہوا پُر طلسمی سماں[1] — یہ بجلی کی ضَو، یہ اگر کا دھواں
اگر کے دھوئیں میں یہ رقصاں شمیم — مہکتی فضا میں چھلکتی نسیم
یہ شیشوں سے چھنتی ہوئی دلبری — سیہ تاب ضَو، اگر کی روشنی
سیاہی کے اندر جھلکتے نجوم — جہالت کی چادر میں جیسے عُلوم
سمٹتی ہوئی ظلمت، ہمکتی سی ضَو — ملاحت کے مانند صباحت کی رَو
سکوں میں رواں اس فضا میں مہک — سیاہی کی چادر میں گدلا سا رنگ
فضا میں بھی مسکراتی ہوئی — صداقت پہ برساتی ہوئی
صباحت، طہارت، نشاط، امنگ — تقدس، تبسم، ترنم، ترنگ
سموئی فضا میں ہے ظلمت کا نور — یہ آوازِ مردم، یہ بانگِ طیور
مگر ایک آواز، آوازِ دور — مرے کان میں آ رہی ہے ضرور
یہ آواز قرنوں سے چھائی ہوئی — مجھے شعلوں کو جلاتی ہوئی
کلیجے سے دل کو لگائے ہوئے — دماغوں سے دامن بچائے ہوئے
گرجتی، چمکتی، لپکتی ہوئی — زمانے کے اوراق الٹتی ہوئی
روایت کی شمعیں جلائے ہوئے — درایت کی مشعل بجھائے ہوئے

---

[1] اس نوعیت کا ایطا مرے نزدیک مُباح ہے۔

چلی آ رہی ہے مرے کان میں
محلتی روایت کے ہیجان میں
میں سمجھا کہ یہ کس کی آواز ہے
اس آواز میں سوز ہے ساز ہے
دیکھوں اگر میں تو سمجھے گا کون
مجھے صبح آوازیوں دے گا کون
یہ میرے بزرگوں کی آواز ہے
وہی سوز ہے اور وہی ساز ہے
کہ آمائے سجدہ ہیں گرمِ سخن
خداموش اے زمیں و زمن
ذو الکرم و ذو القدس و ذو الاحتشام
وہ آ کہ تھے مردانِ کرام
تواضع شعارانِ گردن فراز
وہ اصحابِ پرور وہ اعدا نواز
رموزِ سخن شاعرانِ کبار
یہ اوجِ سخا، ابرِ گہربار
وہ ذی جاہ اربابِ سیف و قلم
وہ شائستہ مردانِ جود و کرم
یہ سجدہ گاہ عزت یہ بزمِ انکسار
وہ مسند نشینانِ اوجِ وقار
وہ اصحابِ سنجیدہ حرف و ضرب
وہ اربابِ فہمیدہ جشن و طرب
یہ میدانِ جوش و یہ ایوانِ صریر
یہ خلوت امیر و یہ جلوت فقیر
یہ گردابِ صبح یہ کشتی ہلال
یہ گلگشتِ جلال و یہ گلگشتِ جمال
یہ روئے ضعیفانِ حسنِ ناتواں
یہ کوئے ملالِ ستم بے اماں
کہ الستۂ زلفِ الحاد جوش
وہ آیا ہیں اس وقت گرمِ خروش
یہ صنعت ہے صانع کی محکم دلیل
دو عالم ہیں اک صنعتِ بے عدیل
کہ اک نقش ہے آسمان و زمیں
نہیں اس میں جائے چنان و چنیں
کہ ہر نقش تحت ہے نقاش پر
اگر صاحبِ فہم ہے غور کر
گرفتارِ معلول، علت بھی دیکھ
مجازات بیا حقیقت بھی دیکھ
حدوث و قدم کی قرابت بھی دیکھ
حداثت کے ماطر قدامت بھی دیکھ
عقیدت کے ایواں میں گردن جھکا
خدائے دو عالم پہ ایمان لا
ان آیاتِ آئینۂ ذات کو
جو شاعر ہے تو دیکھ آیات کو
یہ روئے مریضاں محالات ہیں
یہ جتنے بھی نامدہ آیات ہیں
محالات جتنے ہیں آیات میں
اور اُن کو جو میرِ شمامات ہیں

یہ سب ایک ہی اصل کے ہیں جہات　　حکایات آیات اسماء صفات

حکایات آیات اسماء صفات　　حکیموں کے نزدیک ہیں عینِ ذات

جو سالک ہے تو دیکھ آیات کو　　ان آیاتِ آئینۂ ذات کو

یہ تاسدۂ شبنم یہ قصیدۂ آب　　یہ گل ریز گلشن یہ گل گوں سحاب

یہ سیمائے صبحِ نیلوفری　　یہ برجستہ شکلیں یہ خوبانِ تری

یہ سناٹوں یہ چڑیوں کی چہکاریاں　　یہ فرشِ سماعت یہ گلکاریاں

یہ پتوں یہ گنبدوں کی تیز چمک　　یہ آڑی پھواریں یہ بانکی دھنک

یہ کوہستاں آبشاروں کے تار　　یہ آبِ رواں کا تبسم دل نوار

یہ اعلان و اظہار و کشف و ظہور　　یہ دُرّاج و طاؤس و مرغ و طیور

یہ ذرات و انجم یہ شمس و قمر　　یہ دُر ہائے تاباں یہ گل ہائے تر

یہ راتوں سے دن اور دنوں سے یہ رات　　یہ نہروں کی لہروں میں موجِ حیات

یہ قوس و صورکاریِ کہکشاں　　قضا و قدر کی یہ انگڑائیاں

یہ جوئے خراماں یہ تودۂ حق　　گل و سنبل و نرگس و نسترن

اُفق پر یہ رنگیں شفق کا ظہور　　نگارِ ازل کے تبسم کا نور

یہ بیلیں حقیقت کی زلفِ دراز　　یہ بحرِ مشیت کی اک موجِ ناز

یہ ذروں کی مٹھی میں سو آفتاب　　یہ موجوں کے عقدوں میں روحِ سحاب

یہ گنبدوں میں عالی دری و دراع　　یہ بحروں میں آسودہ دلبستہ باغ

خیابان و بستان و کوہ و کمر　　یہ لؤلؤ و مرجان و لعل و گہر

جو سالک ہے تو دیکھ آیات کو　　ان آیات محمودۂ ذات کو

محلِ رکوع و مقامِ سجود　　دلائل سے بالائے نام و وجود

دلائل میں یہاں ہیں سو عیبِ جوتش

کرایاں سے ایمانِ بالغیب جوتش

حکیمانہ اعداد کو دوں سوات　　اِس اسلاق کی لاؤں کس طرح تاب

تناؤں ذکم میں ہیں میں دو میں　　کسی کی ہو پیری کی یہ ہمت نہیں

کجائے ارشاد و کجا آدوالست　　تحلات مردگاں گرفتِ صلات

تو میرا خدائے زمین و زمن تری سمت پھرتا ہے رُوئے سخن
اگر تو حقیقت میں موجود ہے مدار و حقیقت کا مقصود ہے
نیا ہے بلندی و پستی تو ہی ہمہ ہست بادا آں چہ ہستی تو ہی
تو یار ہے، بپاس رگِ جاں میں بہ ظلِ ہدایت، بہ مشعلِ یقیں
برقصِ نسیم و برنگِ چمن بروئے نگاراں گل پیرہن
بصباحتِ العارضِ خوباں سحر بلعلِ نگارینِ ترکانِ دہر
بابروئے غلماں، برخسارِ حور بآبِ طہور و بتابِ قصور
بنورِ نعیم و بنارِ جحیم بارباب خلعت، باہلِ گلیم
بطعیانِ چنگ و بنالوانِ گل بادائے بلبل، بسیمائے گل
بنطقِ سلیس و بلیغِ سلیم بنصرِ مجاہد، بحرفِ حکیم
بپیکر تراشندگانِ دمشق بسالا ملسانِ طرفِ حمص
بمدہوشانِ کیف و ثبات بکیسِ لسانِ نگاراں سحوات
بتسبیح و تہلیلِ کرّو بیاں بآہنگِ پیکرِ راستِ گراں
بحقِ تمامیِ اولیائے کرام برفتاریِ حوریانِ خیام
بسوزِ گدایاں، بشانِ شہاں بعشقِ کریماں، بحسنِ بتاں
بعجزِ مساماتیانِ کہن بتکرارِ الستِ اہرمن
بصبحِ خوشِ الوارثِ رشدار بشب ہائے تاریکِ اختر شمار
برخسارِ یوسف، بمنطقِ کلیم بعزمِ خلیل و بخلقِ عظیم
بایمائے حوّائے محاذ و کلام باغوائے آدم علیہ السّلام
بعصیانِ ابلیسِ اوّلیں بتیغِ یقیں، عدوئے مشیں
بارمانِ حفظِ خیال و نگاہ بسیلانِ عمدوان و دمِ گناہ
بمستورِ جبر و بمحجوبِ زشت بماندہِ کعبہ، بخششِ کنشت
بدردِ جوان مرگیِ اسیر بحورِ دعاہائے شمشیر گیر
بسوزِ طویلِ دلِ بیوگاں باوقاتِ سوریِ محنت کشاں
بفریادِ عشاقِ مستِ وم دید بآہِ یتیماں مقتولِ عہد

باسبابِ درد و غم اندیشگی — تحسّر و حزن و گدا پیشگی
بعشرت پرستیِ اہلِ امیر — بعصمت فروشیِ دختِ فقیر
بفریادِ دشنام و آہِ سحر — بسربادیِ قسمتِ محتقر
بحالِ حدوث و بشانِ قدم — بنورِ مدینہ بشمعِ حرم
بزلفِ سیاہِ بتانِ حسیں — بموئے سفیدِ بزرگانِ دیں
بترتیبِ مجروحِ امّ الکتاب — بتاراجیِ کشورِ نو تراث
بمکر و دعائے ظلوم و جہول — بسوگِ بتول و بمرگِ رسول
برفتارِ صد لشکرِ اشقیا — بہ راہِ سقیفہ سوئے کربلا
بدل خستگانِ فشارِ حیات — بلب تشنگانِ کنارِ فرات
بیاسِ شہیدانِ بدر و حنین — بمرگِ مسیح و بخونِ حسین
خدایا، بہ آہِ جگر خستگاں — الٰہی، بسوزِ دلِ شاعراں
نہ دولت، نہ مدحت، نہ تاجِ شہی — فقط روشنی روشنی، روشنی
نہ بندے کو دی قدر و ذی جاہ کر — بس اک ذاتِ مطلق سے آگاہ کر
نہ اورنگ و افسر نہ مُہر و عصا — مجھے علم کی بھوک ہے داورا
•نشستہ ناتستہ دریں دیرِ گم — تحیر گرفت آستیم کہ قم
دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار — کہ پیدا نشد تختہ بر کنار
الٰہی، مری عقلِ اسرار بار — زمانے سے ہے در پئے کشتِ زار
مری فکر کب سے ہے سرگرمِ کار — لیے اسی جھولی میں لیل و نہار
نظر میں شریعت کو رکھے ہوئے — طریقت کے اثمار چکھے ہوئے
بساطِ فلک کو سنوارے ہوئے — بساطِ زمیں کو ابھارے ہوئے
رواں و دواں سینہ تانے ہوئے — بلندی و پستی کو چھانے ہوئے
خرافات کی دھار موڑے ہوئے — ہزاروں طلسموں کو توڑے ہوئے
حکایاتِ پیشیں کو کاٹے ہوئے — اساطیر کا خوں چاٹے ہوئے
حقائق کے موتی نکالے ہوئے — ہزاروں سمندر کھنگالے ہوئے
ہزاروں پہاڑوں پہ کوندے ہوئے — کروروں ستاروں کو روندے ہوئے

تقاو مالو جھموڑے ہوئے　　مہ و ستاں کا رس نچوڑے ہوئے
جہالت کی آنکھیں نکالے ہوئے　　مظاہر کو حسیوں میں ڈالے ہوئے
عوامل کے عقدوں کو کھولے ہوئے　　ترہ یر دو عالم کو تولے ہوئے
مگر اے خداوند رب جلیل　　ملی مجھ کو اب تک ایسی دلیل
کہ ہو جس سے انعام رب صفات　　کتامت ہو جس سے ترے حق کی ذات
ملے مجھ کو عطا ہو معاف　　ہزاروں براہیں تیرے خلاف
جو یہ کہتا تو رزاق و رب جلیل　　یہ سب نام کی نام ہیں بے دلیل
وہ جیسے وہ لیلائے کرسی نشیں　　یتا اُس کا دنیا میں جیتا نہیں
ربابِ الوہیت حق قدوس　　بگردوں حروشاں بگیسی خموش
سر دہ تپیدہ برشتہ کمیں　　کوئی تیرے سدوں سے نڑھ کر ہیں
کوئی خاک پر بستیں پر کوئی　　کوئی آسماں پر میں پر کوئی
جو گیتی پہ ہے وہ بھی راہ مدار　　جو گردوں پہ ہے وہ بھی حسرت شعار
نہ اُدھیوں کو راحت نہ بیچوں کو چین　　یہاں بھی ہے ماتم وہاں بھی ہے بین
محرم کی تمہید ہے صبح عید　　ہر لمحہ صد کربلا دیر ید
ہر اک پھول گنجینۂ صد شرار　　ہر اک برگ صد حصّۂ آزار
جو دل ہے وہ سینے کا ناسور ہے　　جو زندہ ہے مرنے پہ مجبور ہے
سر اُس بر آستاں خدا میں محیط　　ملائیں مسلّط و تا مس محیط
مہنگ عصوت بدریا نمک　　یہو ج تشم ہزاراں سرشک
ہر اک حشر کو سرم غم کی تلاش　　دوڑے میں غلطاں دلوں کی خراش
بہر چندہ طوماں آہ و فغاں　　بہر گام غلطیدہ خونِ معاں
رنگیں کا دسالہ زنیت و رود　　جوانی کے پیچھے بڑھاپے کا کھوٹ
بڑھاپے کی خاطر کو دیو احتیاج　　اجل سرو پے ناک ستاک اجل
اور اس پر بھی سنتا ہوں میں یہ پکار　　کہ تو ہے خداوند رحمت شعار
یہ کہتے ہیں دانا و عادل ہے تو　　حکیم و فرح بخش و بادل ہے تو
رحیم و رفیق و رؤف و لطیف　　نہ رحمت قریب نہ دعوت مجیب

اگر میں غلط کار ہوں اور قبیح — اگر مجھ پہ رحمت کے دیکھو صحیح
تو مٹتا نہیں کیوں مرے دل کا ملال — عطا مجھ کو ہوتا نہیں کیوں قرار
فقیروں سے نظریں ملاتا نہیں — خدا ہے تو پھر کیوں نظر آتا نہیں
اگر آپ ہے تو مرے ذوالجلال — تو میرے دل کو مرے کیا نہال
جو ہو دین و رسم کبید و علیل — تو دین پہ در کیا ہے رب جلیل
یہ ہرگز عدو او دوا دے سکے — عطائے من کی سرائے آئے
اگر عقل مدت کی ہے مضمحل — تو میری طرف سے رکر گنت دل
مجھے لے کے دار پہ چاک و رفو — تری جستجو ہے، تری آرزو
جہاں دین ایمان ہے جیسے ں — مری فکر کا وہ نہیں اب وطن
مری عقل کث تک ہے ما سوا — یہ مولد ہے محروم سکس سے ڈر
تری رحمت کا ہے امیدوار — الٰہی اے عقل غریب التہار
دکھا راہ تمکین حق دیا مجھے — یہ ٹھکرا یہ ٹھکرا بھلا مجھے
صنوبر کا اب دل کو یارا نہیں — مرا اور کوئی سہارا نہیں
سوت کی شمعیں ہیں یا رہے جوش — رسالت کی محراب ہے پر روش
وہ فکر و نظر کے اتارے نہیں — تجلی کے اب وہ مینارے نہیں
رہے شہر کے عالمان کرام — انہیں دور سے دور ہی سے سلام
نہ باتوں میں نرمی نہ لہجہ میں پیار — نہ خلق محمد کے آئینہ دار
نہ حسن ہدایت، نہ حسن کلام — نہ دل میں تحمل، نہ منہ میں لگام
مکتب جہول و مسجد ظلوم — نہ محراب مرمر نہ منبر سموم
نہ تحریر و تقریر میں تندید — نہ علم قدیم و نہ علم جدید
فقط حج و صوم و صلوٰۃ و اذاں — اذان و جدال و جدال و اذاں
جدال و اذاں سے بحث و دار — ترے در پہ آیا ہوں پروردگار
اگر تو ہے در اصل مطلق حکیم — تو بھیج اے خدا نے سمیع و علیم
دماغ آر و پائے یونان میں آ — حکیموں کے کامد محفل میں آ
جہالت کی تاریکیوں سے نکل — اگر حیثیت علم ہے تو اول

اُمل گو سمجھتا، گُن گُن گاتا اُمل — تفکر کے دریا بہاتا اُمل
تعقل کی خرسندگی میں اُمل — دلائل کی تابندگی میں اُمل
خرد رستہ و عقل پیوند اُمل — پیامی صداقت کے مانند اُمل
محبت موجہ کا طور معقول پر — نمایاں ہوا طورِ معقول پر
ملوریں رہا مدتوں عرش پر — اب آ آٹھوں س کردا فرش پر
سر تل دیر ظلمت کے گل ڈال میں — اب آ سرخ کریوں کی سراں میں
دکھاوے گا یہ ورن افلاک کا — قدم رکھ سکا شا ہے ادراک کا
مجھے ڈال ماتھے سے شمس قمر — بر مندگاہِ دانش میں ہو جلوہ گر
اگر تو ہے کندن ہو ڈر دوں الیس جل — واٹ کی کھٹی سے تپ کر نکل
کہ تا نعرۂ رن ہو سکوں برملا — کہ جھک جاؤں لے مسکرائیں خدا
یہ جاؤ اُدھر کفر ہے ٹوٹے سر پر — عشر جاؤ اے تیرہ بختانِ دہر
پھر آدم کے بیٹوں کو یک جا کروں — تعصب کو دنیا سے چلتا کروں
عداوت مٹا کر محبت بڑھاؤں — محبت اخوت تراوت سکھاؤں
تمام آدمی تسکر و شیر ہوں — کشت و گلستاں لعل گیر ہوں
اگر یہ حقیقت ہے پروردگار — کہ نیت سر اعمال کا ہے مدار
تو اے بحالِ حق میری نیت کو دیکھ — مرے رلویوں کی طہارت کو دیکھ
مرے اشتیاقِ محبت کو دیکھ — تجسس تامل تفکر کو دیکھ
مرے ذوقِ کشفِ حقیقت کو دیکھ — مری کاوشوں کی صداقت کو دیکھ
تجھے سب سے بہتر یہ معلوم ہے — کہ فدوی سراپا سوق معصوم ہے
اگر مجھ میں ذوقِ تعمد نہیں — تجسس ہے مولیٰ تمرد نہیں
میں آمیرہ اندیش و الوا نہیں — حقیقت ہے یارب تعلی نہیں
مرے سینۂ پاک میں شعل — دھڑکتا ہے مولیٰ رسالت کا دل
مجھے علم دے تا کہ گم ہو ملال — مگر پاں سطر پڑ دگر ذوالجلال
مرے سر پہ السیوں کی صورت رکھا — سطر پاک وادی سے ہرگز نہ آ
صحیفے نعل میں دبا کر نہ آ — تعلیف کی شمعیں جلا کر نہ آ

روایت سے دل کی نہ تسخیر کر
درایت کے مہر سے تقریر کر

روایت کا سلسلہ ستارا تا تک
درایت کے سگلس عرش سے تھاہک

عقیدت سے پہچان سکتا نہیں
درایات سے کمان سکتا نہیں

عقیدت وریہ خیال و حواس
روایت فروغ ظنون و قیاس

گداز دل و جوش رقت وریہ
بصیرت، تعقل، ہو د وریہ

تعبد، تملق، تماشہ، غلط
تدبر، تورع، تشقف، غلط

جنون، جذبہ و وجدان، ذوق یقین
سرا سر فسون کاری اہرمن

ازل کا تسلسل، ابد کا کمال
وریہ الٰہیات، وہم و خیال

ادا سمجھی حسن ذات و صفات
ہمہ ذوق حسن ہمہ حسیات

حریم خدائی میں ہوں یک بار
کہاں میں کہاں ملک لا رو نیاز

یہ مجھ سے طلب کر سجود و رکوع
قرار جبر دے ہویار طلوع

یہ وا کر دیا روح باب جمال
یہ وہ مکا تسا سے رنگا ہلال

یہ لیلیٰ کے نامہ محمل میں آ
یہ عشق و جوانی کی منزل میں آ

جسے عشق کہتے ہیں تلبیس ہے
یہ مردان آوارگی کی رئیس ہے

یہ وہ لفظ ہے وقار و لعیں
جو قرآں میں اک بار آیا نہیں

رسالت نے اس کو کیا ناپسند
مشیت نے اس کو کیا ناپسند

ترا عشق اور ولولوں کا گداز
یہ تحاشئ رمق ہے بکر دکار

ترے وصل کا شوق رب غفور
ادب کے منافی ترا ات سعود

کھٹکتی ہے اشکوں سے حوا کشیں
وہ حوا سن کی جھیلکی ہے عفت میں

یہ سجدہ ترا جو جھکا ہے سارے خدا
ہوس کاریوں کے بتیاں حول کا

کبھی تو رہتا ہے رہتا ہوں میں
ادب سے یہ درخواست کرتا ہوں میں

اگر تو ہے دراصل رب غیور
تو جوش و مسح دیکھ ہوگا ضرور

جو سیکھے تو راہ قناعت سے آ
ہر ایک رو برو باب حکمت سے آ

جو تو داد ار وہم انساں نہیں
تو اپنے تہمت وہم سے بچ جائیں

یقیں ہے تو کیوں تم ہے گردا میں
محل قصر دانش کی محراب میں

یقیں بن کے حق تک آئے گا تو — تو اے وہمِ دیرینہ زائل ہو

رہِ کفر کی خاک چھانے گا تو کس

رہا ہے تجھ کو سہارے گا تو کس

۱۹۵ء

کھوکھلے دعوے

قوموں کے تمام دعوے کہ زندگی — اک ہر لا ابال سے پاتی ہے روشنی

تجھ سے علوم و چشمۂ حکمت ہے زندگی — انصاف و عدل و رافت و رحمت ہے زندگی

ہر اک شکم ہے رزق کا وعدہ لیے ہوئے — ہر وعدہ ہے فراغتِ اعلیٰ لیے ہوئے

دنیا یہیں بہشت ہے دار السلام ہے — اک نعمتِ تمام ہے اک فیضِ عام ہے

تقدیر کا غلط ہے کہ پیٹا ہے آدمی — قدرت شفیق ماں ہے بیٹا ہے آدمی

ارض و سماں کا راج دلارا ہے آدمی — ترقیت کی آنکھ کا تارا ہے آدمی

ایک آبشارِ جود ہے اک سیلِ رحمت — شبنم کی طرح نرم ہے قلبِ رعونت

یل مرمری تبسم دہر میں ہوتی ہے مہک — دل امیرِ زندگی کا دھڑکتا ہے دیر تک

مرتی ہے آہِ سرد کو لیلائے زندگی ! — ہوتا ہے چاک سینۂ دارائے زندگی

انسانیت کا درد ہے قدرت لیے ہوئے — شاعر کا عشق ماں کی محبت لیے ہوئے

عشرت کی دھوم دھام ہے ہستی کی ریل پیل — ہستی کا کاروبار ہے اک استعارہ کھیل

پیرِ مغاں کے فیض سے چھلکے ہوئے ہیں جام — ذروں کے دل میں تپش میں خورشید کا پیام

المختصر تمام یہ دعوے کہ آسمان — زندگی ہوئی زمیں پہ اتر کے مہرباں

دل کو حرص، ذات کو محسوس مخلصے — المختصر تمام یہ دعوے یہ غلغلے

بے قدر و بے وجاہت و بے اعتنا ہیں — انسان کی حکمت میں بہت شرمسار ہیں

جھٹلا دیا ہے ان کو مرم کائنات نے

اِن کے منہ پہ تھوک دیا ہے حیات نے

غیر مطبوعہ مجموعوں سے

کیا گل بدنی ہے

کس درجہ فسوں کار وہ اللہ غنی ہے — کیا موہنی سادگی و سیمیں تنی ہے
انداز ہے یا حدِ نظر گردِ دلبری ہے — آواز ہے یا بربطِ ایماں شکنی ہے
گل کی سی رات ہے یا زلف گھنی ہے
کیا گل بدنی، گل بدنی، گل بدنی ہے

یہ لے ہے کہ کھلتی ہوئی غنچے کی کمانی — مہکا ہوا یہ تن ہے کہ یہ رات کی رانی
لہجے کی یہ رو ہے کہ برستا ہوا پانی — لرزش میں یہ مژگاں کہ پریوں کی کہانی
یہ سرخیِ لب ہے کہ عقیقِ یمنی ہے
کیا گل بدنی، گل بدنی، گل بدنی ہے

رخسار ہے رخسار کے پرتو سے زرافشاں — زلفوں میں ستارے ہیں تو آنکھوں میں کماں
مہندی کی سجاوٹ کہ ہتھیلی پہ گلستاں — یا حلقۂ عشاق میں ہے چہرہ تاباں
یا خاتمِ نامدہ یہ ہیرے کی کنی ہے
کیا گل بدنی، گل بدنی، گل بدنی ہے

سینے پہ یہ پلو ہے کہ اک موجِ حیائی — ماتھا ہے کہ اک صبح کا پرتو ہے سہانی
آنکھیں ہیں کہ بہکے ہوئے دو مست شرابی — پیکر ہے کہ انساں کے سانچے میں گلابی
گیسو ہیں کہ گلنارِ مشکِ ختنی ہے
کیا گل بدنی، گل بدنی، گل بدنی ہے

کاکل میں پریشانی ہے بیتابیٔ ریحاں
یا سایۂ ظلمات میں ہے چشمۂ حیواں
ہاتھوں پہ ہے یہ چہرہ کہ ہے حاشیۂ قرآں
اور چہرۂ گل رنگ میں غلطاں و حیراں
رنگینیٔ خوں رنگِ یاسمن ہے
کیا گل بدنی، گل بدنی، گل بدنی ہے

عشوے ہیں کہ اک موج کمر میں کوند رہی ہے
جیسے لہر ہے کہ بجلی سی کمر میں کوند رہی ہے
انگڑائی کا عالم ہے کہ دھنک گونج رہی ہے
تمکنت ہے کہ برسات یہ کرن جھوم رہی ہے
قامت ہے کہ سایۂ سرو حسیں ہے
کیا گل بدنی، گل بدنی، گل بدنی ہے

تن میں ہے وہ خوشبو کہ ہیں گل سر بہ گریباں
چہرے پہ وہ سرخی ہے کہ حیران گلستاں
وہ چال میں ہے لوچ کہ شاخیں ہیں پشیماں
اور لعل گہربار یہ وہ لب ہے کہ غلطاں
وہ لب کہ اک ولولۂ شعلہ زنی ہے
کیا گل بدنی، گل بدنی، گل بدنی ہے

گردن میں حمائل ہار ہے ہاتھوں میں ہے کنگن
اڑتے ہوئے عشوے ہیں گرجتا ہوا جوبن
جولاں ہے جوانی کے دھندلکے میں اٹھی ہیں
کولہے جو پڑا تو جھومے حشر ہے آتش
گل رنگ شلوکا ہے حنا بار دلی ہے
کیا گل بدنی، گل بدنی، گل بدنی ہے

جلوت میں وہ تسلیم ہے خلوت میں تحکم
ساحل پہ سسکتی ہوئی موج سینے میں تلاطم
محبوب میں خاموشی ہے شبستاں میں تکلم
جیسے میں تنک آہ ہواؤں میں ترنم
آغوش میں تلوار ہے گھونگھٹ میں سکھی ہے
کیا گل بدنی، گل بدنی، گل بدنی ہے

ہر نقشِ قدم پر ہے ادا تاج کشائی
ہر گام میں ہے جنبشِ کوثر کی روانی
ہر ایک رگِ مو سے اٹھتی ہے جوانی
اٹھتی ہے مساموں سے یوں بھاپ سی ہلکی
گویا کوئی مہکی ہوئی چادر سی تنی ہے
کیا گل بدنی، گل بدنی، گل بدنی ہے

آنکھوں میں ہے یہ کھر کیا یاں ہے میرا   عارض پہ ہے یہ حال کہ حوروں کا ہے ڈیرا
پلکوں کی ہے یہ چھاؤں کہ مستی کا سویرا   برح پہ یہ لٹیں ہیں کہ دھواں دھار اندھیرا

قامت پہ یہ نکھرا ہے کہ ہیرے کی انی ہے
کیا گل بدنی، گل بدنی، گل بدنی ہے

جس طرح دھندلکے میں چمک اک رنگ سا عطا   جیسے کہ سحر کنج میں آہستہ خراماں
جس طرح اُٹھے بام پہ رفعت کا داماں   جیسے کہ دھواں عود کا مندر میں پریشاں

رخسار پہ یوں صبح کی اعصار شگفتی ہے
کیا گل بدنی، گل بدنی، گل بدنی ہے

اس بس میں بھی پڑتی ہیں حسینوں کی نگاہیں   قدموں کے تلے اس کے جوانی کی ہیں راہیں
اس کی یہ تمنا ہے ملیں پھول سی بانہیں   اصنام کو ممکن ہے کہ ہم حسن سجائیں

گھُٹّی میں پڑی عاشقی و سرمستی ہے
کیا گل بدنی، گل بدنی، گل بدنی ہے

آگ

آگ یعنی سوزِ جلوت پرور و خلوت نواز   گرمیٔ ذوق و عنصرِ گردوں فراز
سنگِ دل کی کارفرما، بوئے گل کی کارساز   موجِ نور و موجِ رنگ و موجِ نقش و موج ساز

بحرِ مادی ابتدا میں لہروں کی روانی کا نکھار
آج کے مادی ابھراتی حوالی کا نکھار

آگ دانائی تأمل ذوقِ ہستی، آگہی   آگ جولانی حرارت مسکراہٹ روشنی
آگ ہستی سرخوشی، مستی، جوانی، سادگی   آگ گویائی خطابت شاعری پیغمبری

اور صفا کی جلوہ کاری انبیا کی روشنی
کفر کا ایمان، ترسا کے خدا کی روشنی

طاہر و تابندہ و درخشندہ و شفاف برق   زر بکف زریں کمر لعلیں پشواز و لعل فرق
مستِ رفتار و درخشش تاجدارِ عرش و شرق   دل ربا تابندگی خورِ درخشاں سے سبق

نو عروسِ لالہ زار و لیلیٔ پردہ نشیں
شاہدِ شامِ ملیح و دخترِ صبحِ حسیں

خوں کی گردش میں عطا جاں جسم کی رگ میں رواں   تارہ صحرؤں میں عیاں کہلائی آتش فشاں
شمع کی لو میں یقیں گرداب کی رو میں گماں   آگ حرفِ اولیں حظِ خلاقِ جہاں

لافانی حروف

لکھ رہی ہیں، لکھ رہی ہیں، لکھ رہی ہیں انگلیاں
ذہنِ خالق کی حکایاتِ زندگی کی داستاں

جوت ہیرے کی جگانے کو تلے کے انگ میں
دامنِ تحریریاں کو ڈبو دیتی رنگ میں

روشنائی سے چھلکتے خال و خط کو ڈھالتی
گیسوئے رخسار میں نوکِ قلم کو ڈھالتی

سرمئی سطروں پہ دوڑاتی شعاعِ دل نشیں
سنگِ موسیٰ کو عطا کرتی نقوشِ مرمریں

فکر کو الواستیٔ مسطر کی جوئے سلک پر
سرخوشی میں رقص فرما کر حریرِ کلک پر

چشمۂ حیواں کو چھلکاتی رہِ ظلمات میں
صبح کے مکھڑے کو چھلکاتی اندھیری رات میں

دائروں میں بند کرتی گیسوؤں کے پیچ و خم
سسکیوں کی تھرتھراہٹ، زمزموں کا زیر و بم

بت کدے میں آتشِ الہام بھڑکاتی ہوئی
دل کی تربتیں کھولتی لفظوں کو چھلکاتی ہوئی

اوجِ معنی کو فرازِ کہکشاں دیتی ہوئی
بے زباں افکار کے منہ میں زباں دیتی ہوئی

ولولوں کو معرضِ تحریر میں لاتی ہوئی
لیلیٔ تفصیل کی ہر پور چٹکاتی ہوئی

ذہن سے دھارے کو ساحل کا سکوں دیتی ہوئی
مرمریں پوروں سے ادب کی کشتیاں کھیتی ہوئی

دل سے جوئے تازہ کی بوندوں کو ٹپکاتی ہوئی
روئے قرطاس و قلم پر پھول برساتی ہوئی

ناچتی گاتی تھرکتی، شوخیاں کرتی ہوئی
سینۂ کاغذ میں دل کی دھڑکنیں بھرتی ہوئی

۱؎ کورے سرتی کو ناکھ کرات بال کے قابل مانا

اداسی کو تبسموں کی چمک دیتی ہوئی　　ولولوں کے آسمانوں کو دھنک دیتی ہوئی
ظلمتِ باطل کی زنجیریں آستیں جھٹکتی ہوئی　　کلکِ خوشاں سے تخیل کی ردا سیتی ہوئی
عارضِ قرطاس کو نوکِ قلم سے چومتی　　دُور تک، مشرق تک، شمال تک، گگن گماں جھومتی
کامنی میراں برارض و سما کو تولتی　　ذہن کے عقدوں کو لرزاں ماضی کے کھولتی

حبس میں ڈالے سکوتِ تیرہ گلہائے نشاط
لکھ رہی ہیں داستانِ قصرِ تاریخ حیات

کھینچ رہی ہیں سینۂ کاغذ میں سدا و ملور　　ڈھل رہے ہیں دائروں میں لالہ و سرو و طیور
انگلیوں سے گر رہے ہیں زندگی کے آبشار　　سانس میں رچ رہے ہیں فکر حوراں کے ستار
لکھ رہی ہیں لکھ رہی ہیں لکھ رہی ہیں صبح و شام　　موجِ گیتی کے ترانے اوجِ گردوں کے تمام
لکھ رہی ہیں گیت، رویا دیں، ترانے، قہقہے　　ہچکیاں، سرگوشیاں، آنسو، دعائیں، قہقہے

قہقہوں کی گونج میں نغمہ بیت گاتی ہوئی　　آنسوؤں کو موتیوں کے ہار پہناتی ہوئی
یوں رواں ہیں وقت کے سیلاب میں با اشتیاق　　نوح کی کشتی ہے گویا دوشِ طوفاں پر سوار
لکھ رہی ہیں لکھ رہی ہیں لکھ رہی ہیں انگلیاں　　با اعادہ، با اصرار و داستاں در داستاں

پھر چلیں گی انگلیاں حسنِ صداقت کے اماع
جل اٹھیں گے صفحۂ قرطاس میں لاکھوں چراغ
سرمگیں سطروں کی گلیوں میں سجے گی طرۂ مہر
ساحلوں پر جگمگا اٹھیں گے آگاہی کے شہر
تمتما کر قصر پر جل جلائیں گے حروف
تاجِ سلطاں کی دمک پر مسکرائیں گے حروف
جگمگا اٹھیں گے یوں لفظوں میں ڈھالے عمل
شاعروں کی مفلسی شاہوں پہ ہو گی خندہ زن
حرف ساگر یوں دلِ افلاس کے دکھیں گے داغ
جھلملا جائیں گے ایوانِ ادب کے چراغ
دائروں میں رقص کریں گی انگلیاں جس وقت ہم
سر بسر ہو جائیں گے کاغذ پر تخیل کے خیام

اور جب ہم روستائی کو سکھائے گا سعوف — قصر ہائے سنگ میں جائیں گے تب بارِکِ حروف

آئیں گے پھر لشکرِ دوراں کی زد پر فغفور — ان پہ جھپٹیں گے سپیں ان کو جھنجھوڑیں گے شعور

ہو سکتے ارمن و سماکر گائیں گے ان پر گماں — ان کو روندیں گے کروڑوں روسکر ٹوٹے کارواں

ان پہ ہوگا ہتھوڑا وقت پُرا جلال سا — گھس لے گا ان پہ عالم کوب ماہ و سال کا

جاہلوں کی ٹولیاں ان کو گرانے آئیں گی — ان پہ اوچھے ناقدوں کی تیوریاں منڈلائیں گی

ان پہ گرجے گا فقیہانِ سبک سر کا حساب — ان پہ کڑکے گا جمہور سے بادشاہوں کا عتاب

یہ اُسامے جائیں گے تاج و کمر کی دھوپ میں — اُن کو پھینکیں گے مسلح داڑھیوں کے سوپ میں

ان کو مسلیں گی بھیانک ایڑیاں کہسار کی — برچھیاں اُن میں چبھیں گی ماب و ستار کی

ان کو لاکھوں خیرہ سر طوفاں ڈھانے آئیں گے — ان سے لاتعداد مدے ریلے ٹکرائیں گے

ان کو روندیں گی ہزاروں پلٹنیں ظلمات کی — ان کو کھرچیں گی کروڑوں چھپتیاں لمحات کی

ان پہ برسے گی مسلسل آگ کھولی دھول رب
پھر بھی لَو دیتا رہے گا تا ابد ایک حرف

بیتِ اقطابِ سپہر گرداں اُٹھا سکتا ہے کون — کعبۂ فن کار کو دنیا میں ڈھا سکتا ہے کون

کھینچتا ہے دیکھ کر ان کے جیالوں کا جمال — خانقاہوں کا تحمل، بارگاہوں کا جلال

کانپتا ہے انکسارِ طبعِ شاعر کے حضور — بادشاہوں کا تکبر، دیوتاؤں کا غرور

متصل جھکتی ہے مہرِ دولتِ علم و یقیں — ان کے بابِ جانۂ عصیاں پہ عصمت کی جبیں

ان کے لہجے مشعلیں رکھ کر لگا کے طاق میں — گونجتے رہتے ہیں پیہم گنبدِ آفاق میں

قتل ہو کے پر بھی ان کا رتبہ کم ہوتا نہیں — حشر تک اُن کے قلم کا سر قلم ہوتا نہیں

مانگتی ہے بھیک میں گونگی زمیں ان سے زباں — ان سے آنکھیں مانگنے آتا ہے اندھا آسماں

اُن سے ہے میاد گویا ماریں کا ئنات — یہ نگاہِ گیتی و گردوں میں آدارِ حیات

دہر کو ہے مان ان کی جودتِ خلّاق پر — مرحبا ان جانتانِ انفس و آفاق پر

ان کے فرشِ زندگی پر عرش برساتا ہے پھول
ان کے دروازوں کو آکر کھٹکھٹاتے ہیں رسول

اور اُٹھ جاتے ہیں جس دنیا سے اربابِ راز — دیوتا آتے ہیں پڑھنے کو جنازے کی نماز

نوعِ انسانی کبھی ان کو بھلا سکتی نہیں — موت کی آندھی چراغ ان کے بجھا سکتی نہیں

ہم نشیں تاریخ بتاتی ہے کہ انقلابِ سحر
سانس لیتی ہے تو کارِ سحر کرتے ہیں شروع

یاد رکھتے ہیں سرِ سحر اب بیتے ہیں کل
تیرگی میں ڈوب کر قرنوں سے ہوتے ہیں طلوع

نغمہ یا تندۂ گفتار [illegible] آں کی قسم
جل اٹھے اک بار تو بجھتی نہیں شمعِ قلم

کھیت جب کرتی ہے شاعر کے قلم کی چاندنی
کانپتی ہے تیغ چنگیزی قلم کے سامنے

جھیلتی ہے آتشِ تاج و علم کی چاندنی
کون آئے گا تاج و علم کے سامنے

مطربِ گلہ پیش کرتا ہے ادب
ملک میں تبدیل ہو جاتی ہے شمشیرِ قلم

ریزشِ مژگاں سے تاروں کو بجھاتا ہے ادب
سرنگوں ہوتی نہیں قندیلِ سرکارِ قلم

کانپتی ہے موجِ سرِ ساحل چراغوں کے حضور
پھر امیں اپنے چراغوں پر بچھاتا ہے ادب

قرص کھاتا ہے شاعر اور ابھرتے ہیں حروف
موجزن رہتا ہے جس میں جوئے جاناں شعور

اول اول آئینوں میں سستاتا ہے ادب
رو روشنی کی سلطنت کو فتح کرنے میں حروف

ہار کر لے دل کہ آہ و زاریوں کے درمیاں
لکھ رہی ہیں لکھ رہی ہیں لکھ رہی ہیں انگلیاں

(۱۹۶ء)

خطاب بہ صدرِ پاکستان

گذشتہ سال ۲۰ راکتوبر ۱۹۶۶ء کو صدر پاکستان نے ولیکا سیمنٹ فیکٹری کا سنگِ بنیاد رکھا تھا۔ ولیکا ملز کے اربابِ بست و کشاد نے اس موقع پر پڑھوانے کے لیے جوش کے ایک دوست روشن علی بھیم جی کے توسط سے نظم کی درخواست کی۔ جوش نے نظم لکھ کر بھیج دی لیکن انھیں جلسہ میں اس نظم کو پڑھوانے کی جرأت نہ ہوئی۔ یہ نظم اب تک غیر مطبوعہ تھی (م)

۱

اس زمیں پر موتیوں اور آنسوؤں کے درمیاں
مدتوں سے چل رہا ہے زندگی کا کارواں

کتنی صبحیں کھل چکی ہیں گلشنِ آفاق میں
کتنی شامیں ڈھل چکی ہیں وقت کی گہرائی میں

کھل چکے ہیں اس فضا پر آج تک کتنے علم
گڑ چکے ہیں جادۂ ادراک پر کتنے قدم

قیصر و اسفندیار و خسرو و بہرام و دار
کتنے تاجوں کی چمک دیکھے ہوئے ہے رہگزار

ہم غریبوں کی زمینوں پر بصد بار و غرور
چل چکا ہے بارہا کتنے امیروں کا غرور

کتنے ایوانوں کے آگے جھک چکی ہے زندگی
کتنے تخت اپنے سروں پر رکھ چکا ہے آدمی

کھا چکا ہے علم کو کیا کیا جہالت کا حصول
پی چکے ہیں بے سر کتنے ہی فن کاروں کا خوں

ڈس چکا ہے کتنے داناؤں کو نادانوں کا داؤ
پھونک کر ٹھنڈے کیے ہیں کتنی سرخ آنکھوں کے الاؤ

ہیں مفتوحوں کی لاشوں پر منے ہیں جشنِ عام
ہو چکے ہیں نصب کتنے فتح مندوں کے جام

اور اس کے ساتھ کتنے ہی سلاطینِ کبار
کھنڈروں میں پریشاں ہیں آج نامدِ عمار

کل تھی جن رفتار پر تاکوں میں تاب یکساں
آج ویرانوں میں اُن کی اُڑ رہی ہیں دھجیاں

ہم تو کیا تاریخِ انساں بھی گنا سکتی نہیں
کھا چکی ہے کتنے قاہر تاجداروں کو زمیں

جن میں تھی بادِ غرور و تاب دستار و کلاہ
پھر رہے ہیں یونہی مرنے سے وہ گمنام آج آہ

کتنے ایوانوں کو ویراں کر چکا ہے انقلاب
[illegible]

۲

دیکھ کر تاریخِ انساں کی رعونت کے رقم
آج سے میری گزارش ہے یہ صدرِ محترم

آپ کی بابت میں کہہ سکتا نہیں کچھ بالیقیں
آپ کو میں نے کبھی نزدیک سے دیکھا نہیں

سُن رہا ہوں اہلِ دنیا سے مگر یہ غلغلہ
آپ کے سینے میں دل ہے اور دل بھی کھلا ہوا

آپ اُٹھے ہیں کشتِ جاں کی آبیاری کے لیے
آئے ہیں میداں میں خدمت گزاری کے لیے

منصب و ناموس کو آگے بڑھانے کے لیے
عہد کی باقی زمینوں کو جگانے کے لیے

فکرِ نو کے موتیوں کو رولنے کے واسطے
ذہن کے ایوان میں عرفاں کھولنے کے واسطے

ہاں میں واقف ہوں کہ جو لا عیب ہیں ہر جا بجا
آپ بھی انساں ہیں اور بندہ بھی انساں ہے

سو رہی ہے ایسے قدم کو ڈگمگا سکتا نہیں
ہم نہتوں کو کوئی کچھ بھی دکھا سکتا نہیں

۳

اس لیے میں نے یہ لکھا ہے کہ اے میرِ وطن
خدمت و ایثار کی ہے آپ کے دل میں لگن

آپ کی نیت ہے خالص اور ہمت استوار
مرحلے دو ہیں لیکن قیادت کا مدار

اس کہن تاریخ میں سلطاں ہیں ایسے کئی
اس بیاباں میں کئی کھیت ہیں جو جل گئے

سنتے پہلے آپ سن لیں غور سے میری یہ بات
دل یہ جلنے کے لیے دبکی ہوئی شمع ہے رات

آپ کو آگاہ کرتا ہے یہ رندِ بادہ خوار
ملتِ انساں کو سزا دیتا ہے نفسِ اقتدار

بخت کا رشتوں کو بھی بنتا نہیں یہ آبِ جام
اس شرابِ تند کو درکار ہے پتھر کا جام

کاروبارِ اقتدار کو مردِ کامل چاہیے
اہلِ حکمت کا دماغ اور ہیر کا دل چاہیے

یہ جو مسند پر ور حکومت ہے وہ آگ تسلیں
آدمی جس کو چڑھا کر ہوش میں رہتا نہیں

یہ وہ صہبا ہے جو پی لیتی ہے خود انسان کو
صرف دیوتا ہضم کر سکتے ہیں اس طوفان کو

اور اس کے ساتھ یہ بھی کھیل ہوتا ہے حیات
حاکموں کو گھیر لیتے ہیں ستاروں کے حوادث

ہاتھ میں آتی ہے جس کے حکمرانی کی عنان
ریگتی ہے اس کی جانب چاپلوسی کی کمان

ذہن کو ڈستے ہیں جس کے لہجہ ہائے امدار
اِن گھلی میٹھی زبانوں سے خدارا ہوشیار

آپ کا وہ دشمنِ جانی ہے صدرِ مکرمہ میں
بے محابا آپ پر جو معترض ہوتا نہیں

اور جو اوا اپنے دائروں میں صبح و شام
گھاتے رہتے ہیں جواک و رجو تابہ کیام

اُن کو کیا دل بیٹھ جائیں یا اُٹھ جائے زمیں
نام وہ اپنے کھڑے کرتے ہیں اور کچھ بھی نہیں

آپ اس حرگے سے کہہ دیجے کہ اے قومِ لعین
میں فقط خادم ہوں اپنی قوم کا حاکم نہیں

چھین لیتے ہیں حوادث حاکموں کی کرسیاں
خادموں کی مسندیں رہتی ہیں مثلِ کہکشاں

حاکموں کے در گرا دیتی ہے اٹھلا کر زمیں
خادموں کے جھونپڑوں کو زلزلے چھوتے نہیں

حاکموں کے سر سے ٹکراتے ہیں ہمیشہ بالعموم
خادموں پر آسمانوں سے برستے ہیں نجوم

حاکمانِ وقت کی صبحوں کو نگل لیتی ہے شام
خادمانِ خلق کا دُنیا میں رہ جاتا ہے نام

حاکموں کی شمع بس جاتی ہے پل بھر میں دھواں
خادموں کی مشعلوں سے کانپتی ہیں آندھیاں

حاکموں کی گور پہ چادر پہ سڑ لاتے ہیں داغ
خادموں کی قبر پہ جلتے ہیں گھڑوں کے چراغ

نوح کا طوفان بھی اس کو غرق کر سکتا نہیں
جو برائے خلق جیتا ہے وہ مر سکتا نہیں

یہ گرہ میں باندھ رکھیے بات صدر ارجمند
آپ اگر میری نصیحت پر رہیں گے کاربند
پھر تو اس دنیا نے گویا گول میز پا لوح حسا
کارنامے آپ کے دیکھیں گے مثلِ آفتاب

وقت کے ماتھے پہ جھلکے گی یہ سطرِ جاوداں
میر دولت خادمِ اہلِ جہاں تا توش جاں

تلاشی

جس سے امیدوں میں جلتی آگ ارمانوں میں ہے
اے حکومت، کیا وہ تیرے ان قیدخانوں میں ہے

مدتیں ہیں جسے ڈھونڈ رہی ہے کب سے
تو مرے گھر کی تلاشی لے رہی ہے کس لیے

گھر میں درویشوں کے کیا رکھا ہوا ہے بدنہاد
آ مرے دل کی تلاشی لے کہ بر آئے مراد

جس کے اندر دہشتیں پُر ہول طوفانوں کی ہیں
لرزہ انگیز آندھیاں تیرہ بیابانوں کی ہیں

جس کے اندر آگ ہے اے دشمنِ ہندوستاں
شیر جس میں ہونکتے ہیں کوندتی ہیں بجلیاں

پھوٹتی ہیں جس سے شمعیں اسرار رنگ کی
جس میں ہے گونجی ہوئی آواز طبلِ جنگ کی

جس کے اندر آگ ہے دنیا پہ چھا جائے وہ آگ
مارِ دوزخ کو پسینہ جس سے آ جائے وہ آگ

موت جس میں دیکھتی ہے منہ اس آئینے کو دیکھ
میرے گھر کو دیکھتی کیا ہے مرے سینے کو دیکھ

عظمتِ قلم

(۱)

اے قلم! اے چوبِ جوہر حسن متین ارشاد
شانۂ گیسوئے ہم دار عروسِ ایجاد

قلزمِ وقت میں تو رہبرِ بادِ صرصر ہو
تیری تاریخ میں بستی ہوئی صدیاں آباد

کرۂ خاک صدا اور صدا آرہے ساتھ
رقص میں ہے تری پازیب کی جھنکار کے ساتھ

(۲)

دونوں عالم کو اٹھائے ہوئے شانے تیرے
ہر بلندی گیتی و گردوں میں ترانے تیرے

حشر تک بھی ہیں رہے وہ زمانے تیرے
تُند رو وقت کے دھاروں میں سفینے تیرے

دور پا دیدہ کہ ہے موت کے ایوانوں میں
سانس لیتا ہے ترے زندہ کتب خانوں میں

(۳)

تو بصد بار جدھر سے بھی گزر جاتا ہے
مادہ ریت کا ہر ذرہ منور جاتا ہے

تو مہ و سال کی یورش سے نکھر جاتا ہے
صورتِ وقت سے کچھ اور اُبھر جاتا ہے

توڑ دیتی ہے چٹانوں کو روانی تیری
رس پہ آتی ہے بڑھاپے میں جوانی تیری

(۴)

نوک تیری جگرِ کوہ کو برماتی ہے
تاریکیوں کے کلیجوں میں اُتر جاتی ہے

تیری گھنگھور گھٹا دل پہ جو چھا جاتی ہے
دونوں عالم کے برسنے کی صدا آتی ہے

تیری بوچھار میں ڈھلتے ہیں ترانے کیا کیا
مست رم جھم میں کھنکتے ہیں فسانے کیا کیا

[illegible]

[illegible]

[illegible] ([illegible]) [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ([illegible]) [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ([illegible]) [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ([illegible]) [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ([illegible]) [illegible]

(۱۵)

اس کی آواز جلاتی ہے سُروں کی مشعل — اس کی رفتار بجھاتی ہے زمیں کی چھاگل

اس کرّے میں کہ عناصر ہیں جہاں گرمِ جدل — معتبر اک نقطۂ انساں ہے باقی مہمل

اس کے معنوں ہی سے فردوسِ عمل ہے دنیا

ورنہ اک واہمۂ موت و جدل ہے دنیا

(۱۶)

عشوۂ زمزمہ حیواں ہے اسی کے دم سے — خاک رقصاں و غزل خواں ہے اسی کے دم سے

دورِ مے جامِ بہاراں ہے اسی کے دم سے — مستیٔ گردشِ دوراں ہے اسی کے دم سے

جس کی جنبش شبستاں میں سویرا ہو جائے

یہ جو اٹھ جائے تو دنیا میں اندھیرا ہو جائے

(۱۷)

کرۂ خاک ہے مدہوش فضا خواب میں ہے — ظلمت آلودۂ غفلت ہے جہاں خواب میں ہے

ثبت تا روزِ سحر لالہ قبا خواب میں ہے — نجم و خورشید و قمر ارض و سما خواب میں ہے

عقدۂ کون و مکاں عقدہ کشا ہے انساں

اس سراپے میں فقط جاگ رہا ہے انساں

(۱۸)

اس کی تخییل کے حلقے میں جہاں رقصاں ہے — نغمہ بر لب ہے مکاں، دورِ زماں رقصاں ہے

خمِ گیسوئے لیلیٰ اسرار نہاں رقصاں ہے — اس کی انگڑائی میں روحِ دو جہاں رقصاں ہے

یہ زمیں قمری ہے یہ آسمان شمسی

اس کے انفاس پہ ٹکتا ہے نظامِ شمسی

(۱۹)

آدمی فاتحِ مستقبل امراض و اجل — آدمی عربدۂ آخر و بارِ اوّل

صاحبِ قوس و ہلال شفق و دار و حمل — آمرِ مہر و مہ و زہرہ و ناہید و زحل

شرفِ کعبہ و اعزازِ کلیسا انساں

زندگی محملِ رقصندہ ہے لیلیٰ انساں

(٢٠)

اسکی محفل میں ملائکہ فرشتوں کا ورود
اسکی سرکار میں جبریل امیں سربسجود

اسکے انکار کی پاداش میں شیطاں مردود
اسکی طاعت سے سوا اصل میں یہاں صعُود

ملہ کو تج کے تھرکتی ہوئی جنت پائی
خاک کی گود میں آیا تو خلافت پائی

(٢١)

یہ شب ماہ کی جگمگ، یہ سحر کا گلزار
تب ہم کنا یہ یہ تو تیر شعاعوں کا نکھار

رقص کرتی ہوئی تتلی یہ یہ رنگوں کی پھوار
آدمی کی نقطۂ موج تبسم یہ نثار

یہ لی نعمۂ کس کا حم دچم ہے اساں
حس کی جھولی میں صمد نے وہ صنم ڈالا اساں

(٢٢)

نرم آنکھوں پہ مہ و سال نے سینکا ہے اسے
یا مدن نے طبق سیم میں گوندھا ہے اسے

مرمریں تیشوں سے شعاعوں نے تراشا ہے اسے
چھیاں وقت کی ٹوٹی ہیں تو گھڑا ہے اسے

حوس اپنا مہ و خورشید نے حب گھالا ہے
تب کہیں نور کے سانچے میں اسے ڈھالا ہے

(٢٣)

مدتوں دایۂ فطرت نے کھلایا ہے اسے
دودھ صدیوں نے لگا کر پلایا ہے اسے

کتنے بپھرے ہوئے دھاروں نے ترایا ہے اسے
کتنی صبحوں کے تسلسل نے جگایا ہے اسے

کتنے قرنوں کی مشقت نے اجالا ہے اسے
حوں تھوکا ہے عناصر نے تو پالا ہے اسے

(٢٤)

ظلمت و نور، گل و خار، سرود و غوغا
آب و آتش، برف و برگ، سراب و دریا

یا یہ گل کوہ، رواں بحر، بیاباں صحرا
جیبی رتھوں سیاہ گلاں جاڑا

ان سب اضداد نے مل جل کے سدا ایسا ہے
خاک نے کتنے جتن کرکے کمایا ہے اسے

لوریاں دی ہیں تصور کی ہوا سے رنگوں

(۲۵)
اسکو جھولے میں جھلایا ہے صبائے رنگوں — اسکو چوما ہے لب ارض و سمائے رنگوں

اسکو پرواں چڑھایا ہے فضائے رنگوں

خاک گرداں کی پسینے سے مسیں بھیگی ہیں

تب کہیں جا کے انساں کی مسیں بھیگی ہیں

اس کی آواز سے گلزار ترنم شاداب

(۲۶)
اسکے احساس سے رخسار تمدن پہ شباب — اسکی پلکوں کی جھپک ارض و سما کی معراج

اسکے ادراک کی چٹکی میں دو عالم کی نقاب

خاک پہ سرمۂ ہر جہاں ہے انساں

وہی یکتا عالم میں رواں ہے انساں

سبزہ و شبنم و ریحان و گل و سرو و صبا

(۲۷)
مرغزار چمن و وادی و کوہ و صحرا — سب یہ گوشے ہیں اثاثہ ازلی شیدا

ذرہ و اختر و مہ بحر و دشت و دریا

گرہ ارض و سما کھول رہا ہے انساں

اس حقیقت میں نقطۂ اول رہا ہے انساں

کم ہے اسکی صداقت تو ملاحت ایماں

(۲۸)
آدمی صاحب گیتا و زبور و قرآں — خالق اہرمن و موجد حرف یزداں

بانی دیر و حرم، واضع ناقوس و اذاں

یہ جو عیب و ہنر و مستی و رعنائی ہے

فقط انساں کی ٹوٹی ہوئی انگڑائی ہے

حلقۂ زلف و خم آب رواں ہے انساں

(۲۹)
دور رخ دہر میں گلزار جہاں ہے انساں — خاک سے تاج محل، تا بجہاں ہے انساں

حسن معنی مکاں، روح زماں ہے انساں

حاکم کون و مکاں ناظم دوراں انساں

خاک اک رمل سکے سیرے قرآں انساں

مسئے احساس سے جو شعر میں روانی آئی ⓷ خامشی کو روش زمزمہ خوانی آئی
آگ دوزخ کو لئے تھال میں پانی آئی — اس نے دیکھا تو ریجا یہ خوان آئی

اسکی آواز سے دریا سے ارا کھول دیئے
طور سے سن ۔ یدا مسد تا کھول دیئے

آدمی حافظ و خیام و امیتں و قرنی ⓷① ثانت و مومن و فرزدقی و میر و سعدی
حسرو و دں و ساد و عیسیٰ و شبلی — یوسح و یوسف و یعقوب و سلیماں و تس

حقہ حضرت خلاق کا مسسر اساں
انتہا یہ کہ محمد سا بیمبر اساں

، آپ کہتے ہیں کہ اللہ کو سمجھے یہاں ⓷② اد میگا ۔ سے اساں سے اشک اساں
اس جہالت میں کہاں علم خدا کا امکاں — تیرا دل ہے کہ حاصل ہو ستر کا عرفاں

ذکر ابھی آپ ۔ اللہ کا بلد کریں
فقط انساں سے اساں کو آگاہ کریں

وہیں جس وقت کہ ہوجائیگا انساں آگاہ ⓷③ تو نکل آئیگا خود پردۂ اساں سے الہ
وحدت النفس و آفاق کو پالے گی نگاہ — اور تربیت یہ سے گی کہ نکھر سے گناہ

شور ہوگا ۔ رہے کونٗ وفا کا دشمں
بے شک انساں کا دشمں ہے خدا کا دشمں

دوست ایسا ہے تو انساں کے دامں کو نہ چھوڑ ⓷④ ہاں اسی جبل متیں کی طرف ادراک کو موڑ
دل تو دل ہے کسی پتھر کو بھی جھٹلاکے نہ توڑ — کہ یہ ادار ہے اللہ کی وحدت کا نچوڑ

گو قناعت سے بڑی کا فریداں ہوا
اس سے بدتر ہے مگر کافر انساں ہوا

پھر تو کھل جاتی ہیں یہ بات کہ ہے حُبِّ امام ۳۵ یہ ولایت، یہ امامت، یہ رسالت، یہ پیام
دل ہے سو، تو عمل ہیں طواف و احرام سب سے بہتر عملِ حیدر ہے تیمارِ عوام

اس کو سرکارِ دو عالم کے پیام آتے ہیں
جو بُرے وقت میں انساں کے کام آتے ہیں

بات تو یہ ہے کسی فرد سے دہشت نہ ہے ۳۶ دوست تو دوست ہے دشمن سے بھی محبت ہے
دل ہر اِک صاف کا امکاں کدورت سے ہے عقل کی یہ ہے یہ بات کہ عداوت سے ہے

شہرِ وحدت میں سرِ حرم و دیر نہیں
صحتِ فکر اگر ہے تو کوئی غیر نہیں

اپنے یاروں کی محبت سے مراحِ انساں ۳۷ آپ بھی اپنے رفیقوں پہ ہیں گوہر افشاں
دل سے تھا تم کبھی اپنے رفقا پر قرباں آپ اور شمر ہیں اس سطح پہ بالکل یکساں

ہاں تو دل میں جو محبت خود کھل جائے
آپ کو سطحِ حسینؑ ابنِ علیؑ مل جائے

کفر بھی راہِ محبت میں ہے عینِ اسلام ۳۸ حسن بغض ہو دل میں تو عبادت بھی حرام
جو کسی قلب پہ حرف آتا ہے شکیں اکرام کندہ ہوتا ہے درِ عرش پہ اس شخص کا نام

جب کوئی غیر کو پیغامِ اماں دیتا ہے
اُٹھ کے ہر ذرۂ آفاق اذاں دیتا ہے

لیکھاتی ہے جسے آہِ اسیراں ملا ۳۹ جس کے سینے میں دھڑکتی ہے صدائے فقرا
جسے اعصاب کو ڈستا ہے رخِ دردِ گدا جس کی تہ رگ میں کھٹکتی ہے نگاہِ غربا

تذکرے اس کے فرشتوں میں ہوا کرتے ہیں
انبیاء اس کی رفاقت کی دُعا کرتے ہیں

(۴۰)
تیغ کاموں کو پلاتے جو آبِ شیریں
کشتۂ کسی مضطر کو جو کیف و تمکیں
عمر بھر خدمتِ انساں سے جو تھکتا ہی نہیں
اس کی سرکار میں خود عرش جھکا آئے حسینؑ
اپنے ماں باپ جو دکھیوں کو سُلا لیتا ہے
اس کو اللہ کلیجے سے لگا لیتا ہے

(۴۱)
جسکی ہر سانس ہو اک دورِ تحیر اکرام
جسکی ہو راہ روؤں کی محبت میں حرام
جادۂ خدمتِ انساں پہ جو ہو گرمِ خرام
اس الوہی شریعت پہ درود اور سلام
جانِ اوجِ الوہیتِ انساں تھے حسینؑ
ہاں اسی جادۂ خدمت پہ خراماں تھے حسینؑ

(۴۲)
قافلے دھوپ میں جس وقت کہ گھبراتے تھے
ہائے کیا دل تھا گھنیری چھاؤں میں لے آتے تھے
وادیٔ احساں کی ملتی تھی تو ترساتے تھے
تشنہ لب دیکھ کے دشمن کو بھی تھپکاتے تھے
دشت سے آب میں کوثر کی روانی تھے حسینؑ
کشتِ انساں پہ برستا ہوا پانی تھے حسینؑ

(۴۳)
چشمۂ دل و سخا، دجلۂ جود و احساں
مطلعِ صبحِ جہاں، عزت و روحِ انساں
لشکرِ کشتیٔ حق، ناشرِ حکمِ یزداں
خادمِ خستہ دلاں ہادمِ قیصرِ سلطاں
حامدِ صدق و صفا، داورِ ایثار حسینؑ
کل جہاں قافلہ و قافلہ سالار حسینؑ

(۴۴)
چشمِ نمناک میں تھا پرتو روتے ہے تیر
سانس لیتے تھے تو چبھتا تھا جگر میں اک تیر
برق جو اُن کی تھی موج ہوا سے میں تاثیر
اور اس نقطۂ حدت پہ کھڑے تھے شبیرؑ
کہ جہاں دھوپ کچھ اس طور سے برساتی ہے
سینۂ برف سے بھی آنچ نکل آتی ہے

(۳۵)

پھر کبھی ماتھے کا پسینہ جو گرا دیتے تھے
پل میں دیکھے ہوئے سورج کو بجھا دیتے تھے
چاندنی دھوپ کے آنگن میں کھلا دیتے تھے
جو یہ رکھتے تھے قدم پھول سا دیتے تھے
رُخ پہ لگ آئی تھی جب پیاس میں اڑتی تھی
تیر گھری کو تر دو تسنیم کو آ جاتی تھی

(۳۶)

اپنی حدت میں بھی آہنگِ بستاں تھے حسینؑ
آب در رنگ جیب و دامنِ بہاراں تھے حسینؑ
کشتِ آبِ رسالت کے نگہباں تھے حسینؑ
فرق سے تا بہ قدم موسمِ باراں تھے حسینؑ
جھوم کر جیسے یہ قبلے سے گھٹا آتی تھی
بات کرتے تھے تو جنت کی ہوا آتی تھی

(۳۷)

بزمِ اجمال میں تصویرِ مفصل تھے حسینؑ
طاعتِ متصل و حمد مسلسل تھے حسینؑ
شاہدِ گل بدن تحلیٔ مستقل تھے حسینؑ
ہادیٔ پختہ و داماں مکمل تھے حسینؑ
سایۂ تیغ میں بھی بس دعا دیتے تھے
انتہا یہ ہے کہ قاتل کو دعا دیتے تھے

(۳۸)

مصرِ مقتل میں جواں یوسفِ کنعاں تھے حسینؑ
طرۂ اکبرِ مہ رو جہ دراماں تھے حسینؑ
صبح افسردگیٔ شامِ غریباں تھے حسینؑ
کوثرِ تشنہ دہاں، حنجرۂ گریاں تھے حسینؑ
دشتِ فریاد میں گلبانگِ ترنم تھے حسینؑ
لیلیٰ آہ کے ہونٹوں کا تبسم تھے حسینؑ

(۳۹)

ارض پر سترِ محراب و حرم تھے حسینؑ
معبد و مسند و اشرف و امجد تھے حسینؑ
سجدہ کرتا تھا جو ہر کعبہ وہ معبد تھے حسینؑ
نقطۂ یکتائیٔ فکرِ محمد تھے حسینؑ
یہ نہ ہوتے تو یقیں صید گماں ہو جاتا
آخری شعلۂ ایمان دھواں ہو جاتا

(۵)

حُرِ حتم رسل، جانِ علیؑ، سبطِ بتولؑ — حامیٔ جود و کرم، واورا اقدار و اصول
موت کو گرد قدم میں سمجھ وہ مقتول — حاتم حق کے حسینؑ، دینِ تبادِ رسول

مثلِ شبیرؑ حسینؑ پاس وفا ہوتا ہے
ایسے سردوں ہی کے پردے میں خدا ہوتا ہے

(۵)

مہر شاداں و رنگین گل رخسار امام — صدق و محنت میں ملائے کو چراغ اتمام
اس تمنا میں کہ ذہن میں یقین کو دوام — حیدرِ پاک ہے جو وقت کہ نکلے تھے امام

میرِ آفاق محمد رحمت در پہ آتے ہیں
دور تک شور بپا تھا کہ حسینؑ آتے ہیں

(۵۲)

آپ کیا آئے کہ پیغام بہار آیا — دشتِ صحرا میں رہبر کا گلستاں آیا
مُردہ زندوں کی طرف چشمۂ حیواں آیا — اتفِ مصر یہ گویا مہ کنعاں آیا

سو ماروں میں ماہ صد شان تھا آئے
حسن کی عادت سے شہادت وہ بہار آئے

(۵۳)

آپ کیا آئے کہ میداں میں ماہ نعیم — آئی ہر سمت سے فردوس کے پھولوں کی نسیم
جھک گئے انس و آفاق برائے تسلیم — اپنے سینے سے لگانے کو بڑھے ابراہیم

ہاتھ پھیلائے ہوئے باد بہاری آئی
جھوم اُٹھے خار کہ پھولوں کی سواری آئی

(۵۳)

مرحم ارواح میں پہنچی جو حسینی آواز — نور میں پیار آئے جو تھے ممتاز
مصطفےٰ جھک گئے سجدے میں باِفرادِ گزار — فاطمہؑ نے یہ صدا دی کہ تری عمر دراز

ہل گیا عرشِ معلیٰ وہ تلاطم آیا
لبِ قدرت پہ اِک افسردہ تبسم آیا

اللہ اللہ وہ میداں میں تقریرِ امام ۞ نرم لہجے میں کھنکتے ہوئے فردوس کے جام
یوں مرتب تھا سرِ جنگ یہ شاداب کلام ۞ جادۂ دہر پہ جس طرح سوت کا حمام

بات میں لہر بہ ایں تشنہ لبی آتی تھی
بوئے انفاسِ رسولِ عربی آتی تھی

(۵۵)

دہن بہرے تھے حلاوت نہ ہوئی بار آور ۞ رس کی بوندوں کو بھلا صدمے کے کیا تیر
طبل پہ چوٹ پڑی دشت ہوا زیر و زبر ۞ بادۂ آلِ محمدؐ سے بھی مرنے پہ کمر

پھر تو اک برقِ تپاں جانبِ اشرار چلی
نہ چلی بات تو پھر دھوم سے تلوار چلی

(۵۶)

رن میں ہر چند کہ تھا دبدبۂ قیصر و جم ۞ لشکر و دمدمہ و طنطنہ و رعب و حشم
دشنہ و خنجر و تیر و تبر و تیغ و علم ۞ لڑکھڑائے۔ محمدؐ کے نواسے کے قدم

سرِ اشرار سے میداں دما پاٹ دیا
تیغ بُراں کا رگِ جاں سے گلا کاٹ دیا

(۵۷)

یوں چلی کشتیِ قلزم شکنِ تشنہ لباں ۞ تھم گیا شور ہوا، رک گئی نبضِ طوفاں
انکسارِ دلِ شبیرؑ سے وہ کی جو کماں ۞ ہاتھ بھر سے نکل آئی ستمگر کی زباں

رشتۂ دجلۂ طغیانِ ستم ٹوٹ گیا
ناؤ ٹکرائی تو گرداب کا دم ٹوٹ گیا

(۵۸)

تاج سے آلِ محمدؐ پہ جو روکا پانی ۞ پیاس کے ابر سے یوں ٹوٹ کے برسا پانی
بے دھڑک قصرِ حکومت میں در آیا پانی ۞ ہو گیا سر سے شہنشاہ کے اونچا پانی

تاج داری مع اورنگ و نگیں ڈوب گئی
آسماں سے جو لڑی تھی وہ زمیں ڈوب گئی

(۵۹)

جو تنے دوں میں جو دلیروں کے سینے آئے (۹۰) جسد پائے جو لہو موت کا پینے آئے
مرد حق سر سے کفن باندھ کے جینے آئے شہزادی کو پسینے پہ پسینے آئے

یعنی آقائی ابلیس ہوس چھٹ گئی
فقر کی ضرب سے شاہی کی کمر ٹوٹ گئی

دولتِ عشق پہ تسلیم روا ہی نہ رہی (۹۱) شہ گر کی وہ مست گمراہی نہ رہی
ذوقِ بیعت کی طلب میں وہ تباہی نہ رہی تاج مونچھوں پہ جو رکھتی تھی وہ شاہی نہ رہی

حشمتِ قیصری و فرِ کیانی نہ رہا
پیاس کی دھوپ سے تلوار میں پانی نہ رہا

اللہ اللہ جہاں کوب حسینی اصحاب (۹۲) جن کے دریائے شجاعت میں دو عالم غرقاب
اکبر و اصغر مظاہر کا نہیں کوئی جواب وہ لڑکپن کی جوانی پہ بڑھاپے کا شباب

دونوں جاں باز تھے دونوں ہی جری کیا کہنا
مشعلِ شام و چراغِ سحری کیا کہنا

قطرۂ دل میں لئے ایک سمندر تھے حسینؑ (۹۳) ذاتِ واحد میں سمٹے ہوئے لشکر تھے حسینؑ
دیں آدابِ رفاقت کے پیمبر تھے حسینؑ جان دینے کو جب آئے تو بہتر تھے حسینؑ

سرفروشوں کے یہاں آج بھی جم ہوتے ہیں
ایسے انساں رسولوں میں بھی کم ہوتے ہیں

حیف جس قوم کا سلطان ہوا ایسا انساں (۹۴) وہ رہے خستہ و پریشاں، معطل، حیراں
نہ تو سردار تری گئیں، نہ دیکھے ارماں جن کی آنکھیں فقط آباد ہوں جیسے ویراں

ہمت و جرأت و ایثار و وفا کچھ بھی نہیں
ذکرِ مولا پہ کراہوں کے سوا کچھ بھی نہیں

مردگی شعلۂ جوالہ ہے گلزار نہیں (۶۵) موت کا گھاٹ ہے یہ معرکہ بازار نہیں
ایسے آقا کی تباہی پہ جو طیار نہیں مر رہے گا وہ انساں سزاوار نہیں

جو حسینی بھی ہے اور موت سے بھی ڈرتا ہے
ہاں رہ دیں میں حسینؑ ابن علیؑ کرتا ہے

حملۂ حب گلہ علم کو ٹھکراتے ہیں (۶۶) علماء دیں کو جب سچ کے کھا جاتے ہیں
سفہا دولت و مال پہ جب اتراتے ہیں جو حسینی ہیں وہ میداں میں نکل آتے ہیں

دھجیاں دامن دولت کی اڑا دیتے ہیں
باد صرصر کو چراغوں پہ بچھا دیتے ہیں

مرد وہ ہیں زیر باطل جو کتر دیتے ہیں (۶۷) حق جو مانگے تو دل و جان و جگر دیتے ہیں
تیر سہ بھالی تو یوسف سا پسر دیتے ہیں بات بیعت کو بڑھاتے ہیں تو سر دیتے ہیں

آتش مرگ میں بے خوف نکھر جاتے ہیں
آنچ آتی ہے جو عزت پہ تو مر جاتے ہیں

سورما فتنۂ باطل کو دبا دیتے ہیں (۶۸) خون دیکھے ہوئے ذروں کو ہلا دیتے ہیں
اپنی گودوں کے چراغوں کو بجھا دیتے ہیں ایسے چاندوں کو اندھیروں میں سلا دیتے ہیں

قتل شبیر جو پیغام عمل دیتے ہیں
ایسے ہی لوگ زمانے کو بدل دیتے ہیں

میں یہ پوچھوں جو جناب رفیقان کرام (۶۹) کہ لرزتے تو نہیں آپ حضور حکام
آپ سرکار میں جھکتے تو نہیں بہر سلام آنکھ شاہوں سے ملاتے ہیں بنام امام

رائے بکتی تو نہیں آپ کی بازاروں میں
آپ کا رنگ تو اڑتا نہیں درباروں میں

آپ باطل سے دیکھتے ہیں تو پایا ہے کلام ⑦ آپ کو پاک حسینؓ ابن علیؓ سے کیا کام
مائے بیٹھے ملت میں عمل از غم امام ٹوٹیے دولت لب چہرے تان گل دم

خود کو مستر ہے میں نہ معصوم شاتے ایدیئے
اپنی غیرت کے حسارے کو اٹھائے پھریئے

آپ کا آل محمدؐ سے جُدا ہے دستور (٤١) قابل غور نہیں مسلکِ تبرئِ صدور
آپ کا شغل جو کوئی تو فقط شعر و خمر آپ کو پیروی سنتِ صدرا منظور

آپ و ح ، ووسر [illegible] یہ ملے [illegible]
روشن پر کیسے یہ سیکڑ میں سمجھے ہیں

قوم وہ قوم ہے جو حرم کی متوالی ہے (٤٢) دل یہ زوح حقیقت کی نقاں ہے
رہ ہے مائل تو عبادت بھی بڑا بالی ہے یہ عمل قوم کی ثروت نہیں قوالی ہے

یہ حیثیت کے وقت کی [illegible] مارکھا ہے
دین کو آپ نے اک میں بیار کھا ہے

آپ ہاوا تقیہ پر مشق تبرہ و غیبہ (٤٣) آپ اک تعل میں اور عقل بھی تم کردہ کبیر
دل میں قاتل کے حزب دیدہ و تر دارید دعوی حب حسینؓ اور ہوس قرب یزید

سوز خواں کے ہیں طلبگار جو حواں کے ہیں
آپ مجلس کے مسلمان ہیں میدان کے نہیں

ایک دھوکا ہے لگاوٹ میں اگر لاگ نہیں (٤٤) بولکل آپ نے رحس راگ ہے وہ راگ نہیں
قلزم برق کا آنکھوں میں ہوا جھاگ نہیں جیسے پانی تو ہے موجود مگر آگ نہیں

چسکیاں لے لہو میں تو روانی کیا ہے
آگ کی جس میں نہیل ہو وہ پانی کیا ہے

(٧٥)

کربلا اب بھی ہے اک جوشِ رواں نگارا — اپنے پانی میں لئے آگ کا جولاں آرا
رقص و آتش کا اُٹھتا ہوا اک فوارا — ایک بڑھتا ہوا جوں ستسبداء کا دھارا

رنگ اُڑتا نظر آتا ہے جہاں داروں کا
مینہ برستا ہے یہاں آج بھی تلواروں کا

(٧٦)

کربلا آج بھی ہے ایک لگاتار پکار — ہے کوئی پیروی اس عشق پہ طیار
عصرِ حاضر میں یزیدوں کا نہیں کوئی شمار — تم مشعلوں پہ دوڑا لو ہو، مشتعل اشرار

شور ماتم میں کہیں تیغ کی جھنکار نہیں
لب پہ نالے ہیں مگر ہاتھ میں تلوار نہیں

(٧٧)

کربلا میں ہے وہی شعلہ فشانی اب تک — آگ کی موج ہے تلوار کا پانی اب تک
تشنگی میں ہے وہی دجلہ چکانی اب تک — سیلوں کی ہے وہی زمزمہ خوانی اب تک

رنے ماحول پہ اشکوں کی وہ دھمکے بھی
میرے سوئے ہوئے تیروں کی گرج ہے اب بھی

(٧٨)

کربلا میں اثرِ نالۂ جاں آج بھی ہے — نوئے انفاس مسیحا نفساں آج بھی ہے
حسنِ بخشی جو ہیں کھاں آج بھی ہے — صبح عاشور کی گل رنگ اذاں آج بھی ہے

اک بڑا اسرار جو تنی ہے بڑا استاں اب تک
صبح کے دوش پہ ہے شام غریباں اب تک

(٧٩)

اب بھی گو جسم کی تنویرِ زمیں کھنچتی ہے — سورج خاک شراروں کی ردا تنتی ہے
پھر بھی ذروں سے مو العل و گہر کھنچتی ہے — زندگی سیرتِ شبیرؑ پہ سر دھنتی ہے

رنگ رخسارۂ تاریخ نکھر جاتا ہے
لب پہ جب نامِ حسینؑ ابن علیؑ آتا ہے

کربلا اب بھی ہر وقت پہ لہراتی ہے (۸۰) زلف کی طرح خیالات پہ بل کھاتی ہے
عاشقی بات کو جس وقت کہ جھا جاتی ہے دل پہ سینے دھڑکنے کی صدا آتی ہے
کبھی ظلمت میں جو کوندا سا لپک جاتا ہے
ایک قرآں لشکری پہ مکرر آتا ہے

اب بھی اک سمت سے اٹھتا نظر آتا ہے دھواں (۸۱) بیبیاں جیسے کھلے سر نظر آتی ہیں یہاں
ایک گوشے میں ہے گونجی ہوئی آوازِ اذاں اک صغیرا ہے یہ ورقِ دعا بر لبِ طفلاں
چہرے ماؤں کے نظر آتے ہیں حیراں اب بھی
ایک زنجیر کی جھنکار ہے لرزاں اب بھی

کربلا کے سرِ رنگیں پہ دمک آج بھی ہے (۸۲) ایسے ٹوٹے ہوئے شیشوں میں کھنک آج بھی ہے
کل کی ریگ جوں مہندی کی دمک آج بھی ہے ایک نوشاہ کے سہرے کی مہک آج بھی ہے
کچھ گھریاں نظر آتے ہیں دھواں اب بھی
ایک جھولا متحرک ہے ہوا پر اب بھی

کربلا سر سے کفن باندھ کے جب آتی ہے (۸۳) وسعتِ ارض و سماوات پہ چھا جاتی ہے
تند انفاس سے فولاد کو برماتی ہے تیر و تیغ کو خاطر میں نہیں لاتی ہے
جب بڑھ کے یہ دو عالم کو ہلا دیتی ہے
کربلا موت کو دیوانہ سا دیتی ہے

کربلا اب بھی حکومت کو نگل سکتی ہے (۸۴) کربلا تخت کو تلووں سے مسل سکتی ہے
کربلا خار تو کیا، آگ پہ چل سکتی ہے کربلا وقت کے دھارے کو بدل سکتی ہے
کربلا قلعۂ فولاد ہے جراروں کا
کربلا نام ہے چلتی ہوئی تلواروں کا

(۸۵)
کربلا ایک تزلزل ہے محیط دوراں
کربلا زیر سرمایہ پہ ہے برق تپاں
کربلا ظلم پہ ہے ضربت آزادہ سراں
کربلا جرأت اظہار سے پیش سلطاں

کر حق سوز یہاں کاشت نہیں کر سکتی
کربلا تاج کو برداشت نہیں کر سکتی

(۸۶)
جب تک اس خاک پہ باقی ہے وجود اشرار
دوش انساں پہ ہے جب تک ستم تخت کا بار
جب تک اقدار سے انسان ہیں گرم پیکار
کربلا ہاتھ سے بیٹھے گی نہ ہرگز تلوار

کوئی کہہ دے یہ حکومت کے نگہبانوں سے
کربلا ایک ابدی جنگ ہے سلطانوں سے

(۹۰)
کہہ رہا ہے یہ سکوت در و دیوار سروش
کہ بس امروز ہے امروز نہ فردا نہ دوش
کس کی یاد ہے یہ صدا کہ ہے سماعت خاموش
میں نہیں اس علیؑ ولی کا ہوں سراپا جوش

بخش دے آگ مرے سرد عزاداروں کو
ہاں اچکا ڈالے میں سوئی ہوئی تلواروں کو

(۹۱)
کربلا سر جل معرکہ ہیجان ہے اب تک
کربلا گرمی بازار دلیراں ہے اب تک
کربلا منتظر صف شکناں ہے اب تک
کربلا جانب انساں نگراں ہے اب تک

داد غم ایک بھی جان ہار نہیں دیتا ہے
کوئی آواز پہ آواز نہیں دیتا ہے



چند قابلِ مطالعہ کتابیں

اردو کہاوتیں اور ان کے سماجی و لسانی پہلو	(تحقیق)	ڈاکٹر یونس اگاسکر	80/-
غزل کے نئے جہات	(تنقید)	ڈاکٹر سید محمد عقیل	70/-
انتخاب گلکاب خوش		ڈاکٹر فضل امام	60/-
پریم چند - کچھ نئے مباحث	(تنقید)	مانک ٹالا	70/-
عرش صاحب کے خطوط	(مراسلے)	مرتبہ ذکیہ جیلانی	70/-
انیس: شخصیت اور فن		ڈاکٹر فضل امام	60/-
میراجی: شخصیت اور فن		کمار پاشی	40/-
ن م راشد: شخصیت اور فن		ڈاکٹر شہریار	40/-
گوپال متل: شخصیت اور فن		کمار پاشی	50/-
حرفِ راز: اقبال کا مطالعہ		ڈاکٹر حامدی کاشمیری	25/-
تنقیدی ابعاد	(تنقید)	ڈاکٹر مظفر حنفی	70/-
اردو ناول اور تقسیم ہند	(تحریر)	عقیل احمد	40/-
نئی تحریریں	(تنقید)	ڈاکٹر عبدالستار دلوی	50/-
تخلیق و تنقید	(تنقید)	ڈاکٹر امان اللہ خاں شاہین	40/-
عزیز احمد کی ناول نگاری	(")	ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید	30/-
طنز و مزاح کا تنقیدی جائزہ	(تنقید)	خواجہ عبدالغفور	50/-
اردو شاعری میں اشاریت	"	ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید	45/-
اردو میں طویل نظم نگاری کی روایت اور ارتقا	"	ڈاکٹر روشن اختر کاظمی	50/-
ادب کی پرکھ	"	ڈاکٹر مریش	30/
تلاش و تعبیر	(تنقید)	ڈاکٹر مسطر اعظمی	36/-
اے پیارے لوگو	(تنقید)	ڈاکٹر وارث علوی	40/-
میرے حال میں	(تنقید)	پروفیسر مظہر صدیقی	38/-
مضامینِ ڈاکٹر عبدالودود	"	مرتبہ صفیہ ودود	30/-
ڈاکٹر مظفر حنفی حیات شخصیت اور کارنامے	"	ڈاکٹر محبوب راہی	125/-